ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت

ملتان

1 ذوالقعدہ 1426ھ — جنوری 2006ء

کعبے کا امام

جہاد کا قرآنی مفہوم اور مغربی طاقتیں

مفکرِ احرار چودھری افضل حق علیہ الرحمۃ

"سرِ اقبال" بنام "حسین احمد"

ہندو مت کا تصورِ روحانیت

قربانی

امن عالم اور معاشی امن و سلامتی کے قیام کا سبب

نورِ ہدایت

القرآن

’’کیا جو لوگ بری بری چالیں چلتے ہیں اس بات سے بے خوف ہیں کہ اللہ اُن کو زمین میں دھنسا دے یا (ایسی طرف سے) اُن پر عذاب آجائے، جہاں سے اُن کو خبر ہی نہ ہو ○ یا اُن کو چلتے پھرتے پکڑ لے، وہ (اللہ کو) عاجز نہیں کر سکتے ○ یا جب اُن کو عذاب کا ڈر پیدا ہو گیا ہو تو اُن کو پکڑ لے۔ بے شک تمہارا پروردگار بہت شفقت کرنے والا، مہربان ہے۔‘‘ (النحل: ۴۵، ۴۶، ۴۷)

الحدیث

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’پے در پے حج کیا کرو کیونکہ حج اور عمرہ دونوں فقر و محتاجی اور گناہوں کو اس طرح دور کر دیتے ہیں، جس طرح لوہار اور سنار کی بھٹی لوہے اور سونے چاندی کا میل کچیل دور کر دیتی ہے۔ اور ’’حج مبرور‘‘ کا صلہ اور ثواب تو بس جنت ہی ہے۔‘‘

(جامع ترمذی، سنن نسائی)

الآثار

فطرت کی پکار

اے عزیزو! آنکھیں بند کر لی جائیں تو خطرات ٹل نہیں جاتے۔ ہمت ہار کر بیٹھ جاؤ تو کام بن نہیں جاتے۔ دیکھو! فطرت پکار کر کہہ رہی ہے کہ ہمت کا حامی خدا ہے، بے خبر قوم کی بربادی یقینی ہے، فطرت کی اس پکار کو سننا چاہو تو سن لو، عمل کرنا چاہو تو کر لو، حقے پر بیٹھ کر دھواں اڑانے والی اور بیٹھے بیٹھے بے سود آہیں بھرنے والی قوم کامیابی کے قریب نہیں جا سکتی۔ اگر قدرت کے قانون کی خلاف ورزی میں ہماری خوشی ہے تو پھر اپنی بدنصیبی کا شکوہ کیوں؟

از ماست کہ بر ماست

مفکرِ احرار چودھری افضل حق علیہ الرحمۃ
خطبہ صدارت احرار کانفرنس، قصور
یکم دسمبر ۱۹۴۱ء

ماہنامہ

نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

جلد 17 شمارہ 1 ذوالقعدہ 1426ھ جنوری 2006ء

Regd.M.NO.32, I.S.S.N.1811-541

بیاد

سید الاحرار حضرت امیرِ شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

بانی

ابنِ امیرِ شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

زیرِ سرپرستی

مولانا حضرت خواجہ خان محمد مدظلہ

ابنِ امیرِ شریعت حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ

مدیرِ مسئول

سید محمد کفیل بخاری

معاون مدیر

شیخ حبیب الرحمن بٹالوی

رفقائے فکر

پروفیسر خالد شبیر احمد

عبداللطیف خالد چیمہ، سید یونس الحسنی

مولانا محمد مغیرہ، محمد عمر فاروق

آرٹ ایڈیٹر

محمد الیاس میراں پوری

i4ilyas1@hotmail.com

سرکولیشن منیجر

محمد یوسف شاد

تشکیل

دل کی بات	کالاباغ ڈیم ..... اک آگ کا دریا	مدیر	02
دین و دانش:	درسِ قرآن	محمد احمد حافظ	04
//	قربانی، امنِ عامہ اور معاشی امن و سلامتی کا سبب	سید عطاء المحسن بخاریؒ	06
//	"پرویز" ..... تختِ رہا نہ تاج	شاہ بلیغ الدین	15
افکار:	جہاد کا قرآنی مفہوم اور مغربی طاقتیں	پروفیسر خالد شبیر احمد	16
//	آخری جنگ	سید محمد معاویہ بخاری	21
//	قیامِ عدل ..... پاکستان کی سلامتی	مولانا عبدالرحمن	26
شاعری:	(حمد) لا الٰہ الا اللہ	شورش کاشمیریؒ	28
//	نعتِ رسولِ مقبول ﷺ	پروفیسر خالد شبیر احمد	29
//	حج بیت اللہ کو یاد کر کے	سید ابوذر بخاریؒ	30
//	زلزلہ اور اس کے اسباب	پروفیسر عبدالرحمن مجاہد	31
شخصیات:	کعبے کا امام	ذوالکفل بخاری	32
//	چودھری افضل حقؒ اور سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ	شورش کاشمیریؒ	35
//	مولانا محمد اسحاق مانسہرویؒ	شورش کاشمیریؒ	40
نقد و نظر:	"سرِ اقبال" بنام "حسین احمد"	مولانا عتیق الرحمن سنبھلی	41
انتخاب:	شاہ ولی اللہؒ کا عظیم کارنامہ "شریعتِ اسلامیہ کی حکیمانہ ترجمانی"	محمد یحییٰ نعمانی	49
مطالعۂ مذہب	ہندومت کا تصورِ روحانیت	مولانا مشتاق احمد	54
طنز و مزاح:	زبان میری ہے بات اُن کی	عینک فریمی	57
اخبار الاحرار:	مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں	ادارہ	58
تراجم:	مسافرانِ آخرت	ادارہ	61

زرِ تعاون سالانہ

اندرونِ ملک ______ 150 روپے

بیرونِ ملک ______ 1000 روپے

فی شمارہ ______ 15 روپے

ترسیلِ زر بنام: نقیبِ ختمِ نبوت

اکاؤنٹ نمبر 1-5278

یو بی ایل چوک مہربان ملتان

ای میل ایڈریس

majlisahrar@hotmail.com

majlisahrar@yahoo.com

تحریکِ تحفظِ ختمِ نبوۃ شعبۂ تبلیغ مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان ناشر: سید محمد کفیل بخاری طابع: تشکیل نو

Dar-e-Bani Hashim, Mehrban Colony, Multan.(Pakistan)

☎061-4511961

دل کی بات

کالا باغ ڈیم.....اک آگ کا دریا

کالا باغ ڈیم کی تعمیر کا منصوبہ برسوں پرانا ہے۔ ماضی میں یہ صرف ایک سیاسی شوشہ تھا۔ اب ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ ان دنوں پورے ملک میں صرف اسی عنوان پر بحث وتمحیص اور مناظرہ بازی کا بازار گرم ہے۔ بلاشبہ نئے آبی ذخائر ملکی ضرورت اور ترقی کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ لیکن یہ مسئلہ قومی اتفاق رائے سے ہی حل ہونا چاہیے۔ سندھ، سرحد اور بلوچستان کو کالا باغ ڈیم کی تعمیر پر شدید اختلاف ہے۔ تینوں صوبوں کی قوم پرست جماعتیں اس منصوبے کو اپنے خلاف سازش اور ''پنجاب نوازی'' قرار دے رہے ہیں۔ خود حکومت کے اہم رکن وزیر اعلیٰ سندھ ارباب رحیم نے کالا باغ ڈیم کی کھل کر مخالفت کی ہے اور سندھ کے حقوق کے تحفظ کے لیے استعفیٰ تک دینے کی دھمکی دی ہے۔ حکومت کی حلیف سیاسی جماعت ایم کیو ایم نے بھی ڈیم کی تعمیر کی مخالفت کا اعلان کر دیا۔ پیپلز پارٹی، مسلم لیگ (ن) اور دیگر پارٹیوں پر مشتمل اتحاد اے آر ڈی نے بھی کھلی مخالفت کی ہے۔ متحدہ مجلس عمل روز اوّل سے اس مسئلہ پر نیمے دروں، نیمے بروں والا عمل اختیار کیے ہوئے تھی اور تا حال یہی کیفیت ہے۔ وہ سرحد اور بلوچستان میں اپنی حکومتوں کی بقاء کے لیے گومگو کی پالیسی پر گامزن ہے۔ لیکن حکومت کی کھلی حمایت بھی نہیں کر رہی۔ مجموعی طور پر یہ مسئلہ انتہائی متنازعہ صورت اختیار کر گیا ہے۔ ادھر جمعیت علماء اسلام کی مرکزی مجلس شوریٰ کی طرف سے نیشنل سیکورٹی کونسل میں قائد حزب اختلاف اور وزیر اعلیٰ سرحد کی شرکت اور جنرل پرویز کے خلاف کسی تحریک میں شامل نہ ہونے حالیہ فیصلے سے مجلس عمل انتشار کا شکار ہے۔ اس مسئلہ پر مولانا فضل الرحمٰن اور قاضی حسین احمد کی راہیں مختلف ہیں۔ نیز مولانا سمیع الحق کی مجلس عمل سے علیحدگی اس اتحاد کے ٹوٹنے کی پہلی کڑی ہے۔ اُن کا کہنا ہے کہ قاضی اور فضل الرحمٰن نے مجلس عمل کو یرغمال بنالیا ہے۔ وہ نفاذِ اسلام کی طرف لوٹ آئیں تو میں پہلے کی طرح ساتھ دوں گا۔

جنرل پرویز' کالا باغ ڈیم کی تعمیر پر مُصر ہیں۔ وہ ان دونوں عوامی حمایت حاصل کرنے اور سیاسی قوتوں کو اپنے مؤقف پر قائل کرنے کی مہم پر سندھ کا دورہ کر رہے ہیں۔ وہ سندھ کے بعد پنجاب کا دورہ بھی کریں گے۔ وزیر اعظم' سرحد کے دورہ پر ہیں اور سیاسی رہنماؤں کو کالا باغ ڈیم کی ضرورت واہمیت سمجھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

جنرل پرویز نے حیدر آباد میں کہا:

> ''نئے آبی ذخائر نہ بنے تو ملک بنجر ہو جائے گا۔ اس وقت پاکستان کو تین یا چار ڈیموں کی اشد ضرورت ہے۔ بھاشا، اسکردو اور کالا باغ ڈیم ۲۰۲۰ء تک مکمل کرنے ہوں گے۔ ڈیم کی مخالفت میں ملک توڑنے

کی باتیں کرنے والوں کے ہاتھ توڑیں گے۔‘‘

جنرل پرویز کا مؤقف بہ ظاہر تو بھلا معلوم ہوتا ہے لیکن سیاست دانوں کا کہنا ہے کہ وہ منتخب نہیں غاصب حکمران ہیں۔ ایسے اہم فیصلے ایک منتخب سیاسی حکومت ہی اتفاق رائے سے کرسکتی ہے۔ جنرل پرویز خود متنازعہ ہیں، اس لیے ہم اُن کی کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ’’کالا باغ ڈیم‘‘ جنرل پرویز کو رخصت کرنے کی چابی ہے جو سیاست دانوں کے ہاتھ لگ گئی ہے، جسے وہ کسی بھی صورت کھونے کے لیے تیار نہیں۔

جنرل پرویز کو اس بات کا ادراک ہوجانا چاہیے کہ فردِ واحد کی حیثیت سے تنہا فیصلے ملک وقوم کے حق میں کبھی بہتر نتائج کے حامل نہیں ہوئے۔ ماضی میں بھی جنرل ایوب خان، جنرل یحیٰی خان اور جنرل ضیاء الحق کے ذاتی اور جبری ٹھونسے جانے والے فیصلوں سے علاقائی، لسانی اور صوبائی تعصب کی آگ بھڑکی۔

مولانا بھاشانی، بنگال سے پنجاب آتے تو کہتے: ’’مجھے یہاں ہر چیز سے پٹ سن کی بو آتی ہے۔‘‘

بنگالیوں کے حقوق غصب ہوئے تو مشرقی پاکستان ’’بنگلہ دیش‘‘ بن گیا۔ شیخ مجیب الرحمٰن نے آخر وقت تک کہا:

’’میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے درمیان رابطے کا آخری آدمی ہوں، میں پاکستانی ہوں،
مجھے کھوکر آپ کو نقصان ہوگا۔‘‘

لیکن انہیں گرفتار کر کے جیل بھیج دیا گیا۔ نتیجتاً بنگالی بھائی ہم سے ہمیشہ کے لیے روٹھ گئے۔

جنرل پرویز نے افغانستان کی اسلامی حکومت کے خاتمے کے لیے امریکی حمایت اور پاکستان کو ’’فرنٹ لائن سٹیٹ‘‘ بنانے کا فیصلہ بھی تنہا کیا۔ نتیجتاً پاکستان میں امریکی مداخلت کو تقویت ملی اور اب متاثرین زلزلہ کی امداد کے بہانے آنے والی امریکی فوج نے پاکستان سے واپس جانے سے انکار کردیا ہے۔ سرحد اور آزاد کشمیر میں امریکی فوج نے ڈیرے ڈال دیئے ہیں۔ تنہا فیصلوں کا نتیجہ بھی یہی نکلتا ہے کہ...... ’’آنے والوں کو کہاں روک سکا ہے کوئی‘‘

صورتِ حال آج بھی ۱۹۷۱ء سے مختلف نہیں۔ کالاباغ ڈیم پر تینوں صوبے، مرکز اور پنجاب سے سخت نالاں ہیں۔ قوم پرستوں کا کہنا ہے کہ جنرل پرویز پر پنجاب، سرحد اور بلوچستان میں حملے ہوئے لیکن جواب میں سرحد اور بلوچستان کے نہتے عوام کو فوجی آپریشن کے ذریعے قتل کیا جارہا ہے۔ جبکہ پنجاب کے خلاف کوئی فوجی آپریشن نہیں۔ مشرقی پاکستان میں بھی فوج نے عوام کے خلاف آپریشن کر کے نقصان اٹھایا اور اب بھی اس عمل کو دہرا کر نقصان ہی ہوگا۔ کالاباغ اور دیگر ڈیم ضرور بننے چاہئیں لیکن جنرل پرویز قومی وسیاسی اتفاق رائے پیدا کرنے کی کوشش کریں یا پھر اقتدار سے الگ ہوکر یہ مسئلہ ایک آزاد وخودمختار سیاسی حکومت پر چھوڑ دیں۔ اگر وہ تنہا یہ سب کچھ کرنا چاہتے ہیں تو پھر یاد رکھیں کہ:

کالاباغ ڈیم......اک آگ کا دریا ہے......اور......جنرل پرویز کو اس میں کود کر جانا ہے۔

درسِ قرآن

محمد احمد حافظ

عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے گزران کرو

(پہلی قسط)

یَـاَیُّھَـا الَّـذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا یَحِلُّ لَکُمۡ اَنۡ تَرِثُوۡا النِّسَآءَ کَرۡھاً ط وَلَا تَـعۡضُلُوۡ ھُنَّ لِتَذۡھَبُوۡا بِبَعۡضِ مَا اٰتَیۡتُمُوۡ ھُنَّ اِلَّا اَنۡ یَّاۡتِیۡنَ بِفَاحِشَۃٍ مُّبَیِّنَۃٍ ج وَ عَاشِرُوۡھُنَّ بِالۡمَعۡرُوۡف ج فَاِنۡ کَرِھۡتُمُوۡھُنَّ فَعَسٰۤی اَنۡ تَکۡرَھُوۡا شَیۡـًٔا وَیَجۡعَلَ اللّٰہُ فِیۡہِ خَیۡرًا کَثِیۡرًا o وَاِنۡ اَرَدۡتُّـمُ اسۡتِبۡدَالَ زَوۡجٍ مَّکَانَ زَوۡج لا وَّ اٰتَیۡتُمۡ اِحۡدٰا ھُنَّ قِنۡطَاراً فَلَا تَـاۡخُذُوۡا مِنۡہُ شَیۡئًا ط اَتَـاۡخُـذُوۡنَہٗ بُھۡتَاناً وَّاِثۡماًمُّبِیۡناًoوَ کَیۡفَ تَـاۡخُـذُوۡنَہ' وَقَدۡ اَفۡضٰی بَعۡضُکُمۡ اِلٰی بَعۡضٍ وَّاَخَذۡنَ مِنۡکُمۡ مِّیۡثَاقًا غَلِیۡظًاo (النسآء:۱۹،۲۰،۲۱)

’’اے ایمان والو! تمہارے لیے حلال نہیں کہ عورتوں کی میراث زبردستی لے لو اور انہیں اس لیے بھی نہ روکے رکھو کہ تم اپنا دیا ہوا مال واپس لے لو۔ اِلا یہ کہ وہ کھلی بے حیائی میں مبتلا ہوں اور گزران کرو عورتوں کے ساتھ معروف طریقے سے پھر اگر تم کو نہ بھاویں تو شاید تمہیں ان کی کوئی چیز پسند نہ آئے لیکن اللہ نے اس میں بہت خوبی رکھی ہو اور اگر تم بدلنا چاہو ایک عورت کی جگہ دوسری عورت کو اور تم ان میں سے ایک کو بہت مال بھی دے چکے ہو تو پھر مت لو اس سے کچھ بھی۔ کیا تم ناحق اور صریح گناہ کے ساتھ لینا چاہتے ہو اور کیوں کر تم اسے لے سکتے ہو۔ درآں حال کہ تم میں سے ایک کا دوسرے کی طرف پہنچ چکا ہے اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے پختہ عہد۔‘‘

لغات:

اَنۡ تَـرِثُـوا النِّسَآءَ کَرۡھاً اس کا ایک معنیٰ یہ ہے کہ تم عورتوں کے زبردستی وارث نہ جاؤ۔ یعنی عورتوں کے مالِ میراث کی طرح قبضہ نہ کر لو۔ ایک دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ عورت کی چاہت کے بغیر اس سے نکاح مت کرو۔ پہلے معنیٰ کے اعتبار سے مصدر مجہول ہوگا اور دوسرے معنیٰ کے اعتبار سے مصدر مبنی للفاعل ہوگا۔ حمزہ اور کسائی نے اس جگہ کُـرۡھـا پڑھا ہے۔ بِـفَـاحِشَۃٍ مُّبَیِّـنَـۃٍ کھلی بے حیائی۔ حضرت عبداللہ بن مسعود اور قتادہ رضی اللہ عنہا کے نزدیک فاحشہ سے مراد شوہر کی نافرمانی ہے اور حسن بصری کے نزدیک ’’زنا‘‘ مطلب ہوگا کہ عورت اگر ناشزہ (نافرمان) ہو جائے یا زنا کا ارتکاب کرے تو شوہر کے لیے اس سے عوضِ خلع طلب کرنا جائز ہے۔ اِستبـــدال زوج مـکـــان زوج ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا، ایک بیوی کو طلاق دے کر دوسری بیوی لانا قنطارا: سونے چاندی کا ڈھیر' مراد ڈھیروں مال۔ وقـد افضیٰ بعضکم الٰی بعض امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ نے اس سے مراد خلوت صحیحہ مراد لیا ہے۔ ایسی خلوت جو جماع سے مانع نہ ہو۔ امام احمد اور امام مالک کا بھی یہی قول ہے۔ امام شافعی کے نزدیک اس سے مراد جماع ہے۔ میثاقا غلیظا۔ پختہ عہد۔

تفسیر:

ان آیات کا پس منظر یہ ہے کہ دور جاہلیت میں دستور تھا کہ جب کوئی شخص مرجاتا تو اس کے قریب ترین عزیز اس کی بیوی کے حق دار ہوتے تھے۔ چاہتے تو خود رکھ لیتے اور چاہتے تو کسی سے نکاح پڑھوا دیتے۔ اس سلسلے میں عورت کا یا عورت کے والدین اور عزیز واقارب کے کسی حق کا خیال نہیں رکھا جاتا تھا۔ دورِ نبوت میں ایسا ہی ایک واقعہ پیش آیا کہ ابوقیس بن اسلت انصاری کا انتقال ہوگیا اور اس کی بیوی کبیشہ بنت معن انصاریہ پیچھے رہ گئیں۔ ابوقیس کے بیٹے حصن نے بیوہ پر کپڑا ڈال دیا گویا وہ اس کے نکاح کا وارث ہوگیا ہے لیکن اسے یونہی چھوڑے رکھا، نہ قربت، نہ خرچ دیا۔ مقصد یہ تھا کہ تنگ کر کے وہ مال وصول کر لے جو ترکہ میں اسے ملا ہے اور فدیہ لے کر چھوڑ دے۔ کبیشہ رضی اللہ عنہا نے حضور نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ابوقیس انتقال کر گیا ہے اور اس کا بیٹا میرا وارث ہوگیا ہے۔ اب وہ نہ تو مجھے خرچ دیتا ہے اور نہ میرا راستا چھوڑتا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا تو اس وقت تک گھر جا کر بیٹھ کر اللہ کا حکم تیرے متعلق نازل نہ ہوجائے۔ اس پر یہ آیت (**لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھاً**) نازل ہوئی۔ (تفسیر مظہری)

درج بالا آیات میں اسلامی معاشرت کے بارے میں کئی جزئیات وارد ہوئی ہیں۔ ہم اگر ان آیات میں غور وفکر کریں اور موجودہ مسلم معاشرے پر ایک طائرانہ نگاہ دوڑائیں تو کئی طرح کے تضادات سامنے آئیں گے۔ ہم نے نام نہاد غیرت، رسم ورواج کی پابندی اور قبائلی روایات کی پاسداری کے نام سے کئی طرح کی خرافات کو سینے سے لگا رکھا ہے۔ خواتین اگرچہ صنف نازک ہیں اور مرد کی ماتحت ہیں لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اب انہیں کسی قسم کے حقوق حاصل نہیں اور مرد جیسے چاہیں عورتوں کے معاملے میں اپنی مرضی مسلط کریں۔ افسوس یہ ہے کہ قرآنی احکام جتنے واضح اور بے غبار ہیں، ہم اسی قدر قرآنی طرز معاشرت سے دور ہیں۔ گھر گھر لڑائیاں ہیں، دنگا فساد ہے، ادھر نکاح ہوتا ہے، ادھر طلاق کے لیے پرتول رہے ہوتے ہیں۔ نکاح وطلاق کے ضمن میں عورت ذات پر جس قسم کے مظالم توڑے جاتے ہیں اور مسائل ومشکلات کا جو طوفان کھڑا کیا جاتا ہے، اسے ہم کھلی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں۔ یہ تمام باتیں اس لیے ہیں کہ قرآنی احکام سے لوگ عمومی طور پر ناواقف ہوتے ہیں اور اپنے ذاتی مفاد کی خاطر ہر طرح کے ظلم کو روا رکھتے ہیں۔

آج سندھ کے دیہی علاقوں میں ''کاروکاری'' پنجاب اور سرحد کے علاقوں میں ''ونی'' کے نام پر ظلم کا جو بازار گرم ہے۔ کیا اس سے صرفِ نظر کیا جاسکتا ہے؟ بعض علاقوں میں لوگ بھاری مال کے عوض اپنی بیٹیوں کو فروخت کرتے ہیں۔ خریدنے والے ان عورتوں کو لے جا کر جس قسم کے ظالمانہ ماحول سے دوچار کرتے ہیں، کیا یہ عین حق ہے؟ موجودہ ماحول اس بات کا شدت سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم عائلی معاملات میں قرآن وحدیث سے رہنمائی حاصل کریں تاکہ ہماری ازدواجی زندگیاں امن وراحت اور سکون سے بسر ہوسکیں۔

(زیر درس آیات کی تشریح اور ان سے مستنبط ہونے والے احکام آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

ابن امیر شریعت سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قربانی

امن عامہ اور معاشی امن وسلامتی کے قیام کا سبب

اسلام امن وسلامتی کا ہی نام ہے اسلام کے ہر عمل سے سلامتی پیدا ہوتی اور امن پھیلتا ہے ہر باشعور آدمی غور وفکر کی نعمت سے اس حقیقت کو پا سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی آمد سے قبل انسانوں کے اعمال جس برائی، خباثت اور شیطنت سے آشنا ہو چکے تھے اسلام نے انہی اعمال کو اسوۂ حسنہ میں پابند کر کے محبت، آدمیت، امن، سلامتی اور عافیت پیدا کر دی۔ غور فرمایئے قبائل کے سردار اور ان کے ساتھی کھانا کھا رہے ہیں ہمہ قسم نعمت ان کے سامنے چن دی گئی ہے مگر کیا مجال کہ غلام اس کی طرف دیکھ بھی جائے۔

روساء وبزرجمہر کھا پی کے فارغ ہوں گے۔ تو بچا کھچا ان کے منہ میں بھی پہنچ جائے گا جو غلام ہونے کا طعنہ سینے پر سجائے ہاتھ باندھے کھڑے ہیں۔ یہ اسلام ہی ہے جس نے آ کر مکارم اخلاق پیدا کئے۔ اسی معاشرے میں غلام کو آقا کے برابر اور فقیر کو امیر جیسا کر دیا۔ من وتو کی تمیز ختم کر دی۔ معاشرے میں حسن پیدا کیا۔ جو نہ کلیوں میں نہ غنچوں میں، نہ پھولوں میں نہ بہاروں میں ہے۔ دنیا کے کسی نظام میں بھی یہ حسن وخوبی، یہ برابری وبرادری نہیں ہے۔ دنیائے فکر میں انقلاب بپا کیجئے اور چودہ سو برس کی الٹی زقند لگایئے۔ چشم خرد کھولئے اور ملاحظہ کیجئے کہ مولائے کائنات سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ لکڑی کے ایک پیالے میں لقمے لگا لگا کر کھا رہے ہیں۔ غلام آقا کے روبرو ہے نظر وتوجہ کی نعمتوں سے بھی مالا مال ہو رہا ہے اور معاش ومعاد کے لمحے بھی سنوار رہا ہے۔ جی ہاں یہ وہی بلال ہے جسے کفارِ مکہ کا جمہوری نظام اور جمہوری گماشتے اپنے برابر دیکھنا نہیں چاہتے تھے اور اسے غلام ہی مارنا چاہتے تھے، اسی طرح قربانی کا عمل بھی معاشرے میں امن وسلامتی اور بلندی پیدا کرتا ہے۔

قربانی تو زمانہء جاہلیت میں بھی امن وسلامتی اور سفر کے خطرات سے بچاتی تھی۔ عرب کا معمول تھا کوئی شخص اگر حج کے لئے آمادہ سفر ہے تو اسے اپنے قربانی کے جانوروں کے گلے میں پٹے ڈال کر ساتھ رکھنا پڑتا۔ اور یہ قربانی کا پٹہ ہی راستے کے خطرات ومشکلات کے بچنے کی علامت ہوتا۔ نتیجہ یہ نکلتا کہ ایسا مسافر اپنے ساز وسامان سمیت منزل مراد پر پہنچ جاتا۔ حج کرتا، قربانی دیتا اور رضاء الٰہی کی نعمتیں سمیٹتا واپس لوٹ جاتا۔ قربانی کے اس جانور کو ہدی کہا جاتا ہے۔ ویسے عربوں میں یہ دستور تھا کہ دین ابراہیمی کے مطابق وہ چار مہینوں کا بہت احترام کرتے یعنی رجب، ذی قعد، ذی الحج، اور محرم..... یہ مہینے پر امن اور عافیت وسلامتی کے مہینے تھے قرآن کریم نے بھی ان مہینوں کے باعزت وباوقار ہونے کا ذکر فرمایا ہے **مِنها اربعةٌ حُرم** ان میں سے چار بہت معزز ہیں۔

انہی چار ماہ کے اعزاز واکرام میں عرب اپنی جاہلیت کی عادتیں، لڑائی جھگڑے ختم کر دیتے تھے۔ ذی الحجہ کا مہینہ بھی انہی مکرم ومحترم مہینوں کا حصہ ہے۔ جس میں قربانی، حج اور عبادات اس کا جزو لاینفک ہے۔ اس لئے بھی یہ امن وامان

اور عافیت وسلامتی کا پیغام سرمدی ہے۔امن عامہ کی نوید الٰہی ہے۔مگر ہمارے معاشرہ میں چونکہ اسلام کو ثانوی حیثیت دیدی گئی ہے اور جمہوریت کو پہلی پوزیشن اس لئے موجودہ معاشرے پر پھٹکار پڑ رہی ہے۔عرب جہلا تو پٹے والے قربانی کے جانوروں کی لوٹ مار نہیں کرتے تھے۔''یہ جمہوریت زادے''اور''روشن خیال''تو وہ بھی نہیں چھوڑتے۔اس عمل خبیث میں یہ اُن سے بھی آگے نکل گئے۔لوگوں نے مہندی، جھانجر، زنجیر اور پٹے قربانی کی تمام نشانیوں سے اپنے قربانی کے جانوروں کو مرصع کیا ہوتا ہے مگر یہ فرزندانِ ناہموار اسے بھی چوری کرنے سے باز نہیں آتے اگر''لبرل اسلام''کے ماننے والے منافقین اپنے رویے تبدیل کر کے حقیقی اسلام کے پیروکار بن جائیں یعنی مکمل مومن بن جائیں تو امت کو یہ روز سیاہ دیکھنا نصیب نہ ہو! اس پر مستزاد یہ کہ ان چوروں اور حرام خوروں کو پاکستان کی رسوائے زمانہ تعزیرات سزا نہیں دیتی بلکہ''لبرل اسلام''کی نمائندہ کمیونٹی جو حدود اللہ کو''وحشیانہ''سزائیں کہتی ہے وہ وحشی اور جنگلی بھی اس درندگی پر بہت پریشان ہیں مگر امن قائم نہیں کر سکے۔ جو دن بھی طلوع ہوتا ہے، وہ فسق وفجور کی تمازت بڑھا دیتا ہے۔خود کو ترقی یافتہ کہنے والے یورپ کے اندھے مقلد پاکستان میں خیر پیدا نہیں کر سکے۔پاکستان کی سیکولر سیاسی قوتیں شر، فتنہ وفساد اور تباہی کی نمائندگی کرتی، اسے پھیلاتی اور حکومت کرتی ہیں ۔یہ چار پانچ فیصد جو امن کے روح پرور مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔یہ صرف ان دینی اعمال کی وجہ سے ہیں جو مسلمان انفرادی اور ذاتی ذوق کی بنیاد پر کرتے ہیں ورنہ ریاست کے قانون بَد نے تو انکارِ اعمال کی کھلی آزادی دے رکھی ہے۔اللہ کی پناہ۔

قربانی اپنے شاندار ماضی، امن وسلامتی پر سچی تاریخی روایت وشہادت رکھتی ہے۔دورِ حاضر میں قربانی نہ صرف یہ کہ امن کا پیغام ہے بلکہ مسئلہ معاش کا عظیم پہلو بھی اپنے جلو میں رکھتی ہے کہ اس عمل صالح کی بدولت معاشی بدحالی ختم ہوتی اور معاشی امن پیدا ہوتا ہے۔سینکڑوں غریب امیر ہو جاتے ہیں۔قرآن کا حکم ہے:

فکلو ا منھا و اطعمو البائس الفقیر . (پ۷ا لحج آیت ۲۸) سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ محتاج بے حال کو۔

فکلوا منھا و اطعمو القانع و المعتر . (پ۱۷۔الحج آیت ۳۶)

سو کھاؤ اس میں سے اور کھلاؤ صبر سے بیٹھنے والے کو اور بیقراری کرنے والے کو۔

ہمارے معاشرہ میں سرمائے کی غیر منصفانہ تقسیم اور یورپ کے معیارِ زندگی کی نقالی نے معاشرہ کو طبقات میں تقسیم کر دیا ہے۔اعلیٰ طبقہ کہلانے والے لوگ اخلاق سے عاری، ہمدردی سے محروم، اخوۃ، برادری اور برابری کے شائستہ جذبات کو خیر باد کہہ کر دوسرے تیسرے اور چوتھے طبقہ کے لوگوں کے ساتھ ایسا سلوک کرتے ہیں کہ اللہ کی پناہ۔ہمارے معاشرے کا دوسرا تیسرا اور چوتھا طبقہ زندگی کی راحتوں سے مجبور اور معاشی حالات سے رنجور ہے اور سفید پوشی، ظاہرداری اور برادریوں کے جذبۂ تقابل میں اس قدر چُور چُور ہے کہ تو بہ ہی بھلی۔معاشرے کے جن لوگوں کے پاس مال ومنال زروجواہر اور دھن دولت موجود ہے۔پھر اُن میں سے جو اس دولت کو دین کے احکام کے مطابق صرف کرتے ہیں۔زکوٰۃ دیتے ہیں صدقات دیتے ہیں انفاق عام کرتے ہیں وہ جب قربانی دیں گے تو معاشرہ کے ایسے افراد جو بے چارے مال کی کمی کے سبب ہفتوں اور مہینوں تک گوشت کی شکل سے ناآشنا اور اس کی لذت سے محروم رہتے ہیں۔قربانی کرنے والا خود کھائے تو اس کی اجازت ہے اس لئے کہ''**فکلوا منھا** ''امرِ استحباب ہے امرِ وجوب نہیں یعنی اجازت ہے حکم نہیں جیسے

و اذا حللتم فاصطادوا . (پ۶۔المائدہ۔آیت۲) اور جب احرام سے نکلوتو شکار کر سکتے ہو۔

اپنے گھر کے لئے رکھ لے تو اجازت ہے اگر نہ رکھے تو بہتر ہے اور واجب ہے کہ وہ قربانی کا گوشت بے حال، محتاج، نادار، بے یارو مددگار اور ایسا مسکین جو قانع صابر محروم ہو اور ایسا مسکین بھی جو سائل اور بے قرار ہو بھوک کے ہاتھوں تنگ آ کر مانگنے لگ جائے سب کو تلاش کر کے پہنچایا جائے۔ ایسے ضرورت مندوں کو زکوٰۃ صدقات وغیرہ کی طرح قربانی کا گوشت پہنچانے سے ان کی طبعی تندی ترشی اور حالات سے پیدا شدہ نفرتیں کم ہوں گی۔ غضب وانتقام کی جگہ محبت واحترام پیدا ہوگا۔ لوٹ مار قتل وغارتگری کی بجائے حفاظت وخدمت کے نیک جذبات ظہور پذیر ہوں گے۔ معاشرہ میں امن وسلامتی غالب آئے گی یعنی خیر طالب اور شر مغلوب ہوگا۔ رودے اور کھالیں بھی معاشرے کے انہی پسے ہوئے لوگوں کا حق ہے۔ قصاب قطعاً کھال رودے اُجرت میں نہیں لیجا سکتے قربانی کے جانوروں پر ڈالے گئے کپڑے گھنٹیاں زنجیریں جھانجریں وغیرہ سب چیزیں غرباء کا حق ہیں۔ جب غرباء کو ان کا شرعی حق مال کی صورت میں پہنچے گا تو معاشی ناہمواری دور ہوگی اور معاشی ناہمواری کے دور ہونے سے جذبہ حسد ورقابت بھی دور ہوگا جس کا نتیجہ ہے خوشحالی مختصراً ملاحظہ کریں۔

قربانی کے فوائد:

(۱) ایک طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ قربانی کے لیے جانور خریدے گئے۔ بیچنے والے کو مال منتقل ہوا۔ اُسے کچھ روز گھر میں رکھا، خدمت کی، گھاس دانہ کھلایا

(۲) دوسرے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی۔ قصاب نے ذبح کیا اور مزدوری لی۔

(۳) تیسرے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی، کھال فروخت ہوئی یا خیراتی اداروں میں تقسیم ہوئی۔

(۴) چوتھے طبقہ میں گردشِ زر قائم ہوئی۔ رودے، زنجیر، کپڑا، جھانجر فروخت ہوئی۔ ان کی قیمت مساکین یتامیٰ، بیوگان محتاج، غریب، دینی کارکن، دینی مدارس کے مسافر طلباء واساتذہ میں مختلف صورتوں میں تقسیم ہوئی۔

(۵) پانچویں طبقہ میں گردش زر قائم ہوئی۔ سرمایہ انجماد سے بچا۔ ایک ہاتھ میں نہ رہا مختلف ہاتھوں میں پہنچا ملک وقوم کو فائدہ پہنچا۔ ایسا اہم اور عظیم عمل جس سے معاشرے کے پانچ طبقوں کو فیض، نفع اور فائدہ پہنچتا ہو اس کی مخالفت کرنا کہاں کی خدمتِ انسانی اور خدمتِ حیوانی ہے۔ یا دانشمندی ہے؟ بجز اس کے کہ

بک رہے ہیں جنوں میں کیا کیا کچھ
کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

ہاں یہ سیکولرسٹوں کا ''روشن اور لبرل اسلام'' تو ہو سکتا ہے دین حقیقی نہیں۔

قربانی اور قربانی کے جانور:

قربانی اور قربانی کے جانور شعائر اللہ میں سے ہیں۔ (پ۱۷۔الحج آیت ۳۶)

ایسے لوگ جو بے رحمی اور حیوانات کے انسداد کی ذیل میں قربانی کے عمل کو رد کرتے ہیں یا مال کے ضیاع کی نام

نہاد حکمت کی بنیاد پر اس کو غلط قرار دیتے ہیں وہ لوگ بنیادی طور پر جاہل وظالم ہیں۔اس لئے کہ قرآن حکیم نے قربانی اور قربانی کے جانوروں کی حیثیت دین اسلام کی علامتوں میں سے دو علامتیں قرار دی ہیں۔دین کی علامتوں کی تعظیم دلوں کے تقویٰ کی علامت ہے۔ان شعائر کا احترام نہ کرنے والے لوگ خلوص سے محروم ہیں۔شعائر اللہ کی باقاعدہ و باضابطہ شرعی حیثیت وعظمت ہے۔اس عمل کی ایک مذہبی،شرعی اور قانونی تاریخ ہے اس کی تردید،تغلیط اور توھین ،احکام ومسائل اور قوانین قرآنی سے بے خبری،لاعلمی اور جہالت پر مبنی ہے۔پھر ایسا آدمی جو قربانی جیسے عمل خیر کو روکتا ہے،اس کے خلاف ذہنوں کو ہموار کرتا ہے اور فضول قسم کی باتیں جو یا وہ گوئی اور ہرزہ سرائی سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں' کرتا رہتا ہے۔وہ معاشرے کو باہم ایک دوسرے سے کاٹنا چاہتا ہے۔قربانی کے عمل سے معاشرہ کے تمام طبقات باہم مربوط ہوجاتے ہیں اور یہ حیوانات پر رحم کرنے والا نام نہاد مہربان انسانوں کو محبت،مودّت،ارتباط،معاشرتی ترقی سے محروم کرنے والا ظالم،سفاک اور خودغرض ہے کہ انسانوں پر رحم نہیں کرتا!

پیغام:

عید،خوش خوراکی وخوش پوشاکی اور کھیل کود کا نام ہی تو نہیں بلکہ عید عبارت ہے.....

اجتماعیت ویکجہتی سے

قربانی وایثار سے

عدل وتقویٰ سے

حق شناسی وخداخوفی سے

محبت،ادب اور اخلاص سے

مودّت اور اخوت کے پاکیزہ جذبات سے!

ارشاد باری تعالیٰ ہے: لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَاوَلَادِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ.

''اللہ کو نہیں پہنچتے ان کے گوشت اور نہ لہو لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دلوں کا ادب (خلوص)۔'' (پ:۱۷،الحج،آیت:۳۷)

احکام ومسائل

● تمہید: قربانی جدُّ الانبیاء اور مجدّد الانبیاء سیدنا ابراہیم خلیل اللہ اور سیدنا اسماعیل ذبیح اللہ علیہم السلام اور سید الاوّلین،قائد المرسلین،خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی مقدس یادگار اور ابدی سنت ہے.....حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایام قربانی میں اللہ تعالیٰ کو اپنے نام پر بہائے ہوئے خون قربانی سے زیادہ کوئی چیز اور عمل پسند نہیں۔ذبح کے وقت خون کا ہر قطرہ زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی خدا کے ہاں مقبول ہوجاتا ہے۔نیز فرمایا: ذبیحہ کے بدن پر جتنے بال ہوتے ہیں' ان میں سے ہر ہر بال کے بدل میں ایک ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿لَنْ يَّنَا لَ اللهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَاءُ هَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ﴾

''اللہ کو نہیں پہنچتے' ان کے گوشت اور نہ لہو۔لیکن اس کو پہنچتا ہے تمہارے دلوں کا ادب (خلوص)۔'' (سورۃ حج'۳۷۔پارہ ۱۷)

● **قربانی:** بعض اسلام دشمن عناصر جن کو مخلوق خدا کی فلاح کا بہت زیادہ ''درد'' اٹھتا ہے وہ اس نظریاتی مملکت میں برسوں سے زہر پھیلا رہے ہیں اور خصوصیات کے ساتھ جدید تعلیم سے روشناس مسلمانوں کو دھوکہ دے رہے ہیں کہ قربانی ''مولوی ازم'' کی ایجاد ہے، کتنا بڑا ظلم ہے کہ ہزاروں لاکھوں روپے کا خون بہادیا جائے، اس میں انسانیت کی کیا خدمت ہے؟ اور یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ تو صرف ''مکہ'' میں ہی فرض ہے اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مدینہ منورہ میں قربانی نہیں دی۔ کوئی شخص بھی اس بات کا مجاز نہیں کہ دین متین میں ایک حرف کی بھی تبدیلی کر سکے۔ قربانی انبیاء علیہم السلام کی سنت ہے اور ہر صاحب نصاب مسلمان پر واجب ہے۔ جو چودہ سو سال سے ادا کی جارہی ہے۔ خود حضور ﷺ نے اور ان کے بعد ان کے صحیح جانشین خلفائے راشدین نے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور امت کی مسلّمہ شخصیتوں نے ادا کی اور کروائی۔ یہ کہنا کتنا بڑا دجل ہے کہ ختم المرسلین ﷺ نے صرف مکہ میں قربانی کی۔ حالانکہ احادیثِ صحیحہ میں اس کا ثبوت موجود ہے کہ مدینہ میں بھی قربانی ہوئی اور لاکھوں مربع میل میں پھیلی ہوئی اسلامی سلطنت میں بسنے والے مسلمانوں نے اس سنت کو ادا کیا۔

حضور ﷺ نے مدینہ میں قربانی کی:

﴿عن ابن عمر 'قال اقام رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم بالمدینہ عَشَرسِنِیْنَ یُضَحِّیْ﴾

(ترمذی ص۱۸۲، مسند احمد ج۷ ص۵۷)

حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے دس برس مدینہ میں قیام فرمایا اور قربانی دی:

﴿عن ابن عباس قال کنّا مع رسول اللّٰہ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم فی سفر فحضر الا ضحی فاشتر کنا فی البقرۃ سبعۃ وفی البعیر عشرۃ﴾ (ترمذی ص۱۸۱)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سفر میں تھے کہ سفر میں ہی قربانی کا دن آ گیا تو ہم قربانی کی گائے کے سات حصوں اور اونٹ کے دس حصوں میں شریک ہوئے۔

جمہور علماء کے نزدیک اونٹ میں دس حصوں والا حکم منسوخ ہوگیا اور سات حصوں والا حکم جاری ہوا۔ اسے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے ذکر کیا ہے۔ (حاشیہ مشکوٰۃ۔ ص۱۲۸)

ان ہر دو روایات کی روشنی میں یہ بات قطعیت کے ساتھ واضح ہوگئی کہ حضور علیہ السلام نے سفر میں بھی قربانی کی اور مدینہ میں بھی، اس کے بعد اس قسم کی لغو اور بے بنیاد باتوں کی کوئی گنجائش نہیں رہتی اور یہ حدیث ان کے قول کے بطلان کے لیے دلیل کا ایک طمانچہ ہے۔

اہل اسلام سے التماس ہے کہ وہ اس قسم کی لغویات پر دھیان نہ دیں اور دین متین کی حفاظت کرتے ہوئے اور محبت رسول علیہ السلام سے سرشار ہو کر اس سنت کو خوب ذوق وشوق سے ادا کریں تا کہ روزِ محشر بارگاہِ رب العزت میں نجات کا سبب اور اللہ کے محبوب ﷺ کی شفاعت کے مستحق بنیں۔ خداوندِ قدوس ہم سب کو سختی سے اسلام کے اصولوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ امین، ثمّ امین

● مختصر مسائل قربانی:

● ہر آزاد عاقل بالغ مسلمان جو ساڑھے باون تولہ چاندی یا ساڑھے سات تولہ سونا رکھتا ہو، یا ان دونوں سے جتنی مالیت کی جائیداد یا مال تجارت کا مالک ہو، اس پر عیدالاضحیٰ یعنی ذوالحجہ کی دس تاریخ کو صبح صادق طلوع ہونے سے لے کر بارہویں ذوالحجہ کی شام تک چند مخصوص حلال جانوروں میں سے کسی ایک قسم کے جانور کو حکم الٰہی اور سنت نبی ﷺ کی پیروی میں ذبح کرنا واجب ہے، جسے شرعی زبان میں اُضْحِیَّہ اور ہماری بول چال میں قربانی کہتے ہیں۔

● قربانی کے لیے مذکورہ بالا مالیت پر زکوٰۃ کی طرح سال کا پورا ہونا شرط نہیں۔

● جن لوگوں پر صدقۃ الفطر واجب ہوتا ہے، انہی پر قربانی واجب ہے اور جیسے صدقۃ الفطر اپنی ذات پر واجب ہوتا ہے، اہل و عیال کی طرف سے ازخود دینا نفلی عبادت ہے، ایسے ہی قربانی بھی صرف اپنی ذات پر واجب ہے۔ البتہ دوسرے کی طرف سے ثواب کے طور پر یا وکیل بن کر قربانی کرنا درست ہے۔

● کسی کے پاس بالکل مال نہ تھا، لیکن اچانک کسی طرح دسویں کی صبح کو یا بارہویں کو غروب آفتاب سے پہلے مذکورہ بالا مالیت حاصل ہوگئی تو اس پر قربانی واجب ہے۔

● ایسے شخص نے کسی کی غیر موجودگی میں اس کی طرف سے اجازت کے بغیر قربانی دے دی وہ ادا نہ ہوئی، بلکہ غائب پر بدستور واجب رہے گی۔

● صاحب مال آدمی اگر مقروض ہے تو ادائے قرض کے بعد مذکورہ بالا مالیت باقی بچے تو قربانی واجب ہے، ورنہ نہیں۔

● اگر کسی شخص پر قربانی واجب نہ تھی اور اس نے قربانی کی نیت سے جانور خرید لیا اور ایسے ہی کسی نے کوئی منّت مانی کہ میرا فلاں کام ہوگیا تو میں قربانی دوں گا اور اتفاقاً وہ کام بھی ہوگیا، تو اس پر قربانی واجب ہوگئی لیکن منت والی قربانی کا گوشت خواہ وہ امیر کی طرف سے ہو یا غریب کی طرف سے نہ خود کھانا جائز ہے اور نہ ہی صاحب حیثیت افراد کو کھلانا، کیونکہ منت بھی ایک صدقہ ہے اور صدقہ مساکین اور فقراء کا حق ہوتا ہے، اگر بھول کر کھالیا یا کھلا دیا تو اتنی ہی مقدار میں مزید گوشت خیرات کرنا واجب ہوگا۔

● مسافر پر قربانی واجب نہیں۔ البتہ سفر میں کسی جگہ پندرہ دن تک ٹھہرنا ہوگیا تو قربانی واجب ہوگی۔

● دیہات میں رہنے والوں کے لیے نماز عید سے پہلے قربانی جائز ہے۔

● شہر اور قصبوں میں رہنے والوں کے لیے نماز عید ادا کرنے سے پہلے قربانی جائز نہیں۔

● اگر کسی شخص نے قربانی میں اتنی تاخیر کردی کہ بارہویں تاریخ کو غروب آفتاب تک بھی قربانی نہ کرسکا، اگر جانور خرید چکا تھا، تو وہی جانور خیرات کردے، اگر جانور نہیں خریدا تھا، تو ایک بھیڑ یا بکری کی قیمت خیرات کردے۔

● اگر کسی نے قربانی کا جانور پالنے کے لیے کسی کو دے دیا تو پالنے والا اس کا مالک نہیں ہوسکتا، نہ ہی اسے بیچ سکتا ہے۔ بیچنا ہو تو اصل مالک کی اجازت حاصل کرنا ہوگی۔

● قربانی کے جانور:

بکرا، بکری، مینڈھا، بھیڑ، دنبہ، دنبی، بیل، گائے، بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی' ان چھے حلال جانوروں میں سے ایک قسم کا جانور ہونا ضروری ہے، ان کے علاوہ کسی اور جانور کی قربانی جائز نہیں۔

● قربانی کے جانور کی عمر:

اس ترتیب کے مطابق ہونی چاہیے۔ بکرا، بکری' ایک سال، گائے، بیل، بھینس، بھینسا' دوسال، اونٹ، اونٹنی پانچ سال کا ہونا ضروری ہے البتہ بھیڑ، مینڈھا، دنبہ، دنبی اگر اتفاقاً تندرست اور موٹے تازے ہوں کہ ایک سال کی عمر والے ہم جنسوں میں چھوڑ دینے سے دونوں میں کوئی فرق معلوم نہ ہو، تو ایسے چھے مہینے کے دنبے، دنبی، مینڈھا، بھیڑ کی قربانی جائز ہوگی بصورت دیگر ان کے لیے ایک سال کا ہونا ضروری ہے۔

● قربانی کے جانور کی کیفیت:

قربانی کا جانور خوب صحت مند موٹا تازہ، بے عیب ہونا چاہیے۔ اگر کچھ دبلا پتلا ہو تو جائز ہے لیکن ایسا مریل جانور جس کو سہارا دیکر چلایا جائے، قربانی کے لیے جائز نہیں۔

● قربانی کا جانور ان عیوب سے پاک ہونا چاہیے:

ٹوٹے ہوئے سینگ نہ ہوں۔ ایک کان کا تہائی سے زائد حصہ کٹا ہوا نہ ہو۔ اندھا نہ ہو، یا اس کی ایک آنکھ کی تہائی یا تہائی سے زائد روشنی ضائع نہ ہو۔ جس کا ابتدا سے کوئی دانت نہ ہو۔ جس کی تہائی یا تہائی سے زائد دُم کٹی ہوئی نہ ہو۔ مرض یا چوٹ وغیرہ کے سبب لنگڑا نہ ہو کہ صرف تین پاؤں پر چل سکے اور چوتھا پاؤں زمین پر نہ رکھ سکے اور گھسیٹتا رہے۔ مادہ حاملہ نہ ہو۔

● قربانی کے جانور میں حصہ:

● بکرا، بکری، بھیڑ، مینڈھا، دنبہ، دنبی' ان میں حصہ داری نہیں ہوسکتی، گائے بیل بھینس، بھینسا، اونٹ، اونٹنی میں سات افراد حصہ دار بن سکتے ہیں، سات سے زائد کی قربانی جائز نہ ہوگی۔

● جس جانور میں سات افراد شریک ہوں' سب کو برابر تول کر گوشت تقسیم کرنا چاہیے کمی بیشی سے تقسیم جائز نہیں۔

● قربانی کے جانور کو اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا افضل سنت اور مستحب ہے' خود نہ کرسکتا ہو تو پاس کھڑا ہونا بہتر ہے، قربانی کے لیے افضل دن دسویں کا ہے۔ باقی دو دنوں میں بھی درست ہے۔ قربانی کا صحیح وقت دن کا ہے' رات کو کرنا بہتر نہیں۔ کیونکہ بعض اوقات صحیح ذبح نہیں ہوسکتا، ذبح کرتے وقت یہ دعا پڑھیں۔

● ذبح کے وقت دعا:

﴿اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفاً وَّ مَآاَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ O اِنَّ صَلٰوتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ O لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَااَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ O﴾

اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر کہہ کر جانور کو ذبح کرے اور مکمل دعا یاد نہ ہو تو صرف اتنا کہنا ہی

کافی ہے۔اَللّٰھُمَّ مِنْکَ وَلَکَ بِسْمِ اللّٰہِ اَللّٰہُ اَکْبَر۔بغیر تکبیر کہے ذبح کرنا جائز نہیں۔جب ذبح کر چکے تو پھر یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ تَقَبَّلْہُ مِنِّیْ ''اے اللہ! یہ قربانی میری طرف سے پسند اور منظور کر لیجیے۔'' اگر اپنے سوا کسی اور کی طرف سے بغرض ثواب یا بطور ادائے فرض دینا ہو تو ''مِنِّیْ'' کی جگہ ''مِنْ'' کے بعد اس شخص کا نام لے جس کی طرف سے دے رہا ہے ۔پھر آگے یہ الفاظ کہے: کَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِکَ مُحَمَّدٍ وَّ خَلِیْلِکَ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْھِمُ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام ۔

''جیسے کہ آپ نے اپنے پیارے حضرت محمد ﷺ اور اپنے خاص دوست حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قربانی پسند فرمائی۔''

● قربانی کی کھال یا اس کی قیمت کا مصرف:

قربانی کے جانور کی کھال قصاب وغیرہ کو مزدوری میں دینا جائز نہیں۔کھال یا اس کی قیمت مستحقین میں خیرات کر دیں۔دینی مدارس کے مسافر طلباء بھی اس کے مستحق ہیں۔عصر حاضر میں طاغوتی اور سامراجی قوتوں کے دینی مدارس کے خلاف عزائم ومنصوبوں کو ناکام بنانے اور مدارس کے مالی استحصال کا مقابلہ کرنے کے لیے مدارس ہی ان کا بہترین مصرف ہیں۔

● گوشت کی تقسیم:

گوشت کے مختلف حصے کر کے بہتر تو یہ ہے کہ تول کر تقسیم کرے۔غرباء،مساکین، یتامیٰ، مسافر اور اپنے عزیز واقارب واحباب سب کو دے۔کھال، رسی، زنجیر، گھنگرو، جھانجر، دوپٹہ یا گوشت بطور مزدوری دینا جائز نہیں۔مزدوری نقد طے کرنا چاہیے۔یہ تمام چیزیں یا ان کی قیمت صدقہ کر دے۔

● نمازِ عید کے متعلق کچھ باتیں:

شب عید کو نوافل ادا کرنا، توبہ استغفار کرنا، عید کے لیے اوّل وقت میں نہانا، اپنی حیثیت کے مطابق اچھے کپڑے پہننا، مسواک کرنا، خوشبو لگانا سنت ہے۔نماز کے لیے ایک راستہ سے جانا اور راستہ بدل کر آنا سنت ہے، راستہ میں ان تکبیرات کا مناسب آواز میں پڑھنا سنت ہے۔اَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ، لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ، اللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ۔قربانی کرنے والے کے لیے بہتر ہے کہ نماز عید سے پہلے کچھ نہ کھائے۔

ترکیب نمازِ عید

● پہلی رکعت:

تکبیر تحریمہ یعنی پہلی تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھا کر باندھ لیں، سبحانک اللّٰھم تمام پڑھیں، پھر تکبیریں کہیں پہلی اور دوسری تکبیر کہہ کر کانوں تک ہاتھ اٹھا کر چھوڑ دیں' تیسری تکبیر پر ہاتھ باندھ لیں، پھر امام قرأت کرے گا، باقی حسبِ معمول پوری کریں۔

● دوسری رکعت:

جب امام فاتحہ اور سورۃ پڑھ چکے تو امام کے ساتھ چار تکبیریں کہیں پہلے تین مرتبہ تکبیر کہہ کر ہاتھ کانوں تک اٹھا کر چھوڑ دیں اور کھڑے رہیں چوتھی تکبیر کہنے پر رکوع میں جائیں۔باقی ارکان حسبِ معمول پورے کریں اور سلام کے بعد دعا مانگ لیں۔

● خطبہ عید:

جیسے جمعہ میں نماز سے پہلے خطبہ سننا واجب ہے۔اسی طرح عیدین میں نماز کے بعد خطبہ سننا بھی واجب ہے۔ خطبہ سنے بغیر عید گاہ سے جانا گناہ ہے۔عیدین کو جماعت کے ساتھ ہی ادا کرنا چاہیے۔ جماعت چھوٹ جانے کی صورت میں قضاء لازم نہیں ہوگی۔

● تکبیر التشریق:

ذوالحجہ کی نویں تاریخ کو نمازِ فجر کے بعد سے تیرہویں کی نمازِ عصر تک پانچ دنوں کے وقت کو ''ایام التشریق'' کہتے ہیں۔ان دنوں میں اکیلے یا باجماعت ہر فرض نماز کے بعد اونچی آواز کے ساتھ ایک بار ''تکبیر التشریق'' کہنا واجب ہے۔تکبیر یہ ہے: **اللہ اکبر ،اللہ اکبر ،لاالہ الا اللہ واللہ اکبر ،اللہ اکبر ،وللہ الحمد**

● عشرہ ذی الحجہ کے فضائل اور یوم الحج کا روزہ:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے عشرہ ذوالحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں۔اس عشرہ میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت لیلۃ القدر کی عبادت کے برابر ہے۔'' (ترمذی وابن ماجہ)

قرآن کریم میں سورۃ والفجر میں اللہ تعالیٰ نے دس خاص راتوں کی قسم کھا کر ان کی اہمیت ظاہر فرمائی ہے۔امت کے جمہور علماء کے نزدیک ان دس راتوں سے مراد ذوالحجہ کی پہلی دس راتیں ہیں۔ذوالحجہ کی آٹھویں اور نویں تاریخ کی درمیانی رات عبادت میں مشغول رہنا اور نویں تاریخ میں یوم الحج یا یوم عرفہ کا روزہ رکھنا مستحب ہے۔اس رات اور دن کی بڑی فضیلت ہے۔۹ ذی الحجہ کا روزہ رکھنے سے گزشتہ ایک سال اور آئندہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ ہوجاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں ان عبادات اور فرائض واجبات کو ادا کرنے کی توفیق عطاء فرمائے۔(آمین)

واللّٰہ الموفق وھوا المستعان وعلیہ التکلان

الغازی مشینری سٹور

ہمہ قسم چائنہ ڈیزل انجن، سپیئر پارٹس
تھوک و پرچون ارزاں نرخوں پر ہم سے طلب کریں

بلاک نمبر 9 کالج روڈ، ڈیرہ غازی خان 0641-462501

شاہ بلیغ الدین

''پرویز''.....تخت رہانہ تاج

یہ 6ہجری کی بات ہے۔خسرو پرویز کو اطلاع دی گئی کہ مدینے سے ایک قاصد آیا ہے۔نوشیروان کے پوتے نے بڑے تعجب سے پوچھا۔''مدینہ سے؟ بتایا گیا' ہاں!''شہنشاہوں کے دربار میں سفیر،شہنشاہوں،بادشاہوں اور امیروں کی طرف سے آتے ہیں۔یہ مدینے میں کون سی سلطنت قائم ہوئی ہے' جہاں سے اب سفیر بھی آنے لگے؟حکم دیا''اچھا اس قاصد کو ہمارے حضور پیش کیا جائے''عبداللہ بن خذافہ ؓ پیش ہوئے۔عرب کے صحرانشینوں کا حلیہ.....ڈھیلے ڈھالے کپڑے،پیوندزدہ جوتیاں' شان وطمطراق کا کوئی شائبہ بھی عبداللہ ؓ کو چھو کر نہ گیا تھا' یہ سفیر تھا یا فقیر! دربارِعجم کے حاضر باش خود بھی اس ہیئت سے کچھ خوش نہ تھے اور شہنشاہ کے غصے کا تو کوئی ٹھکانہ ہی نہیں تھا۔پہلی ہی نظر میں بے شمار سلوٹیں اس کے ماتھے پر ابھر آئی تھیں۔شہنشاہ نے ایک درباری سے مخاطب ہوکر کہا''پوچھو کیا عرض کرنا چاہتا ہے؟''درباری نے وہ الفاظ دہرائے''کیا عرض کرنا چاہتے ہو؟''عبداللہ بن خذافہ ؓ خسرو پرویز کی ذہنی کشمکش سے بالکل لاپروا آگے بڑھے اور حضواکرم ﷺ کا نامۂ مبارک اس کے حوالے کیا۔کیا ہے؟خسرو نے پوچھا۔بتایا گیا عرب میں ایک نبی ﷺ مبعوث ہوئے ہیں۔انہوں نے آپ کے نام ایک خط بھیجا ہے۔نبی ﷺ کا خط.....!ہمارے نام!!!خسرو پرویز کا غصہ برابر بڑھتا جارہا تھا۔پوچھا''کیا لکھا ہے اس میں''!خط پڑھ کر سنایا گیا۔''خدائے رحمٰن ورحیم کے نام سے محمد ﷺ پیغمبر کی طرف سے کسریٰ والیٔ فارس کے نام ..... یہاں تک خط پڑھا جاسکا تھا کہ خسرو کا چہرہ تمتما اٹھا اور وہ غصے سے کانپنے لگا۔بولا!''شہنشاہ فارس کا نام اپنے نام کے بعد! ہم سے یہ گستاخی !شہنشاہ عجم کی یہ تحقیر! یہ ہمارے دست نگر' یوں ہمارے منہ آنے لگے؟ حالانکہ وہ جانتا تھا کہ عرب میں خط کا یہی طریقہ رائج ہے لیکن وہ خدائی خوار تو ادھار کھائے بیٹھا تھا کہ کسی طرح مسلمان سفیر کو شکوہِ سلطانی کا جلوہ دکھائے۔بولا بادشاہ یمن کو آج ہی حکم بھیجا جائے کہ ان پیغمبر صاحب کو جنہوں نے ہمیں خط بھیجنے کی جرأت کی ہے۔فوراً ہمارے دربار میں پیش کیا جائے۔نامۂ مبارک اپنے ہاتھ میں لے کر چاک کیا اور اس کے پرزے اڑا دیئے۔ملائک نے ان پرزوں کو آنکھوں سے لگایا۔

پھر تھوڑے ہی دنوں میں دنیا نے دیکھ لیا کہ پیغام حق کس قدر قوت والا تھا۔دس برس سے بھی کم عرصے میں اس سلطنت عجم کے پرزے اڑ گئے۔اس کی گستاخی کی قدرت کی طرف سے یہ سزا ملی کہ چند ہی دنوں میں اس کے بیٹے شیرویہ نے اسے تخت سے اتار کر قتل کر دیا اور سولہ ہجری میں شان کسریٰ کے اس قلعہ سفید کے فرش کو عبداللہ بن خذافہ ؓ کے بھائی بند اپنے پیوندزدہ جوتوں سے روندرہے تھے۔نہ وہ تخت رہا نہ تاج۔

پروفیسر خالد شبیر احمد*
سیکرٹری جنرل مجلس احرار اسلام پاکستان

جہاد کا قرآنی مفہوم اور مغربی طاقتیں

مغربی طاقتوں نے بڑی شدت کے ساتھ جہاد کے خلاف ایک مضبوط و مستحکم محاذ کھول رکھا ہے اور جہاد کے قرآنی مفہوم کو مجروح کرنے کی ناپاک کوشش میں زمین و آسمان کے قلابے ملائے جارہے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ اپنی جگہ ایک بنیادی اور اصولی بات ہے کہ غیر مسلم طاقتیں حضور اکرم ﷺ کے مدینہ منورہ میں ایک دینی ریاست کے قیام کے دن سے ہی مسلمانوں کی عسکری قوت کو نیست و نابود کرنے کے لیے مختلف نوعیت کے حیلے بہانے اور منصوبے بناتی چلی آرہی ہیں اور آج تک یہ مکروہ اور قابلِ مذمت سلسلہ بڑے منظم طریقے سے جاری ہے۔ اس وقت بھی جہاد کے تصور کو مسخ کرنے کے لیے اسے دہشت گردی کا نام دے کر خصوصی طور پر مسلمانوں میں ایک ذہنی خلفشار پیدا کرنے کی کوشش اُسی سلسلے کی ایک کڑی ہے، جس کا آغاز مدینہ میں مسلمانوں کی پہلی ریاست کے قیام کے وقت مشرکینِ مکہ اور مدینہ کے یہودیوں نے کر دیا تھا۔ حالانکہ حضور اکرم ﷺ نے مدینہ کے اندر ریاست قائم کر کے سب سے پہلا عسکری معاہدہ مدینے کے یہودیوں سے ہی کیا تھا۔ جس کی تعمیل مدینے کے یہودیوں کی طرف سے نہ ہوئی۔ جنگِ خندق کے دوران یہودیوں نے اُس معاہدے سے انحراف کرتے ہوئے مشرکینِ مکہ کے ساتھ مل کر مسلمانوں کی پیٹھ میں چھُرا گھونپنے کی کوشش کی۔ اس لیے مسلمانوں کو یہودیوں کے خلاف جوابی کارروائی کا حق حاصل تھا۔ چنانچہ یہودیوں کے خلاف جوابی کارروائی کی گئی۔ اس حقیقت کی روشنی میں ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ جہاد کا یہ آغاز جارحانہ نوعیت کا ہرگز نہیں تھا، بلکہ مدافعانہ نوعیت کا تھا۔ جس کا حق مسلمانوں کو اس وقت بھی تھا اور آج بھی ہے۔ کیونکہ اپنے دفاع میں لڑنا ایک بین الاقوامی سچائی ہے، جس سے انکار سچ کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

جہاد کے بارے میں پہلی بات جو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے وہ یہ ہے کہ جہاد کا قرآنی مفہوم محض تیغ زنی نہیں ہے۔ بلکہ جہاد کا قرآنی مفہوم راہِ حق میں جدوجہد کرنا ہے۔ قرآن وسنت کے مطابق جہاد کو چار حصّوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے:

اوّل: اپنے نفس کی سرکش خواہشوں اور قوتوں کے خلاف لڑنا، اسے حضور اکرم ﷺ نے جہادِ اکبر کہا ہے۔

دوم: علم کے ذریعے جہاد کرنا جسے ہم علمی اور قلمی جہاد کہتے ہیں۔ دین نے اس کے لیے جہاد باالقرآن کی اصطلاح استعمال کی ہے۔

سوم: تیسری صورت مال و دولت کے ساتھ جہاد کرنا، یعنی راہِ حق میں مال و دولت کو خرچ کرنا۔

چہارم: چوتھی قسم جہاد کی جان کے ساتھ جہاد کرنا ہے یعنی راہِ حق میں تکلیفیں اٹھانا، جان کی پیش کش کرنا۔ قرآن میں اسے قتال فی سبیل اللہ قرار دیا گیا ہے۔

جہاد کے بارے میں اس وضاحت کے بعد اس بات میں شک کی کوئی گنجائش نہیں رہ جاتی کہ راہِ حق میں حق کے لیے لڑنا جہاد کی صرف ایک صورت یا پھر قرآنی مفہوم کے مطابق ایک کڑی ہے۔

جہاد کے بارے میں قرآن پاک میں جو پہلا حکم دیا گیا خود اس حکم سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ جہاد کا حکم کیوں دیا گیا تھا۔ سورہ حج میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے

''جن (مسلمانوں) سے لڑائی کی جاتی ہے ان کو بھی لڑنے کی اجازت ہے کیونکہ ان پر ظلم ہوا ہے۔ اللہ ان کی مدد پر قادر ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے گھروں سے ناحق نکالے گئے ہیں' ان کا قصور اس کے سوا کچھ نہیں کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے۔''

اس آیت پر غور کریں تو واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس لڑائی کے حکم کی وضاحت اور وجہ بیان کر رہے ہیں کہ اب تم بھی لڑو کہ تمہیں گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور تمہارا قصور صرف یہ ہے کہ تم اللہ پر ایمان لا کر کفار کے ظلم و ستم کا شکار ہوئے ہو۔ خود حضور اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس کو جس طرح سے تنگ کیا گیا وہ تاریخ کے اوراق میں محفوظ ہے۔ مسلمانوں کو بھی دو بار حبشہ کی طرف ہجرت کرنا پڑی۔ حضور اکرم ﷺ کو مکہ چھوڑنا پڑا۔

آپ نے مکہ چھوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا تھا:

''اے میرے پیارے وطن تُو مجھے بہت عزیز ہے لیکن میں کیا کروں مشرکین مجھے یہاں رہنے نہیں دیتے۔''

اُس وقت سے لے کر آج تک جہاد ایسی ہی صورت میں ہوا ہے۔ جب مسلمانوں کو گھروں سے نکالا گیا۔ مسلمان محض اپنے دین کی وجہ سے در بدر کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیئے گئے تو جہاد کیا گیا۔ تلوار اٹھائی گئی کہ اپنے دفاع میں جنگ لڑنا کوئی قابلِ اعتراض بات نہیں ہے۔

جدید دور میں اس کی بہترین مثال فلسطین کے مسلمانوں کی ہے۔ جنہیں ان کے وطن سے نکال دیا گیا۔ اب وہ ایک مدت سے گھروں سے بے گھر ہو کر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ لبنان کے کیمپوں میں زندگی بسر کرتے ہوئے ان کی دو نسلیں ختم ہو چکی ہیں۔ اب اگر فلسطین اپنے ان دشمنوں کے خلاف اسلحہ اٹھائے ہوئے ہیں تو یہ عین جہاد ہے اور اس کا انہیں حق حاصل ہے۔ یہی صورت افغانستان کی ہے' افغانستان میں روسی فوجیں داخل ہوئیں تو افغانیوں نے اپنے وطن کی حفاظت کے لیے ہتھیار اٹھا لیے۔ روسی فوجوں کے ساتھ جہاد کیا اور انہیں اپنا وطن چھوڑنے پر مجبور کر دیا۔ جس کے بعد طالبان نے افغانستان میں امن قائم کر کے ایک پُر امن اور اسلامی ریاست کی داغ بیل ڈالی تو امریکہ اور مغربی طاقتوں نے یہودیوں کے ایما پر اس اسلامی اور پُر امن ریاست پر ظلم و ستم کر کے اسے ختم کر دیا۔ اگر آج طالبان اس طاقت کے خلاف لڑ رہے ہیں تو یہ عین جہاد ہے' جس کا انہیں ہر طرح سے حق حاصل ہے۔ قرآن پاک میں اگر مسلمانوں کو لڑنے کی

اجازت دی گئی تھی تو وہ بھی اس لیے کہ ان کے خلاف زیادتی کی جارہی تھی۔ ان پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے۔ انہیں اس لیے جلاوطن کیا گیا تھا کہ انہوں نے بتوں کے آگے سر جھکانے سے انکار کر دیا تھا۔

مغربی طاقتوں کی جہاد کے خلاف گمراہ کُن پروپیگنڈے کی تردید آج سے چودہ سو سال پہلے خود قرآن پاک نے ہی کر دی تھی۔ قرآن نے کھول کر بیان کر دیا کہ جہاد ایک مدافعانہ جنگ ہے۔ ایک ایسی اُصولی جنگ کہ جس کے بغیر کوئی اور چارہ کار باقی نہیں رہتا۔ سورۃ البقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

''اور اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور زیادتی مت کرو اللہ زیادتی کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ اور ایسے لوگوں کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جہاں سے تم کو نکال دیا گیا ہے۔ وہاں سے تم ان کو نکال دو۔ دین کے لیے دُکھ دینا قتل سے زیادہ سخت ہے۔ اور جب تک کافر تم سے مسجد حرام کے پاس نہ لڑیں تم اس جگہ پر ان سے نہ لڑو۔ اور اگر تم سے لڑیں تو تم بھی ان کو قتل کرو کافر اسی کے سزاوار ہیں۔ پھر اگر وہ باز آجائیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ تم ان سے لڑائی جاری رکھو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے۔ اور دین صرف اللہ کے لیے ہو۔ ہاں اگر وہ جنگ سے رُک جائیں تو ظلم کرنے والوں کے سوا کسی پر سختی نہیں ہونی چاہیے۔ حرمت والے مہینے کا عوض حرمت والا مہینہ ہے اور تمام حرمتوں کے بدلے ہیں۔ پس جو تم پر زیادتی کرے تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو اور اللہ سے ڈرو اور یاد رکھو اللہ ان کا ساتھی ہے جو اس ڈرتے ہیں۔'' (سورۃ البقرہ۔ آیت ۲۴)

اس وقت دنیا میں جہاں کہیں جہاد ہو رہا ہے ان آیات قرآنی کے مطابق اپنے دفاع کے لیے ہو رہا ہے۔ اور اس دفاعی جنگ کے ذمہ دار مسلمان نہیں ہیں بلکہ وہی مغربی طاقتیں ہیں جنہوں نے جہاد کے خلاف شور مچا رکھا ہے۔ اور جہاد کے حوالے سے مسلمانوں کو دہشت پسند' جنگ جُو' اور دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔ حالانکہ مسلمانوں پر اس الزام میں حقیقت نام کی کوئی شئے نہیں ہے۔ اس جہاد کو منسوخ قرار دلوانے کے لیے انگریزی سامراج نے پنجاب سے مرزا غلام احمد قادیانی نامی ایک جعلی شخص پیدا کیا اور اس کے ذریعے جہاد کو حرام قرار دلوانے کی ایک ناکام اور ناپاک کوشش کی تھی۔ اب چونکہ دوسرا کوئی ایسا نبی سامنے نہیں لایا جاسکتا' وہ سازش مکمل طور پر ناکام ہو چکی ہے۔ اس لیے مغربی طاقتوں نے ایک نیا حربہ اور ایک نیا منصوبہ تیار کر لیا ہے۔ کہ جہاد کرنے والوں کو دہشت گرد کہہ کر مسلمانوں کے دلوں میں ان کے خلاف نفرت پیدا کر دی جائے:

''ایں خیال است ومحال است وجنوں''

یہ سب کچھ اس وقت ہو رہا ہے جبکہ یو۔ این۔ او کی جنرل اسمبلی بھی دہشت گرد کی تعریف کرنے میں ناکام ثابت ہوئی ہے۔ اپنے حقوق کے لیے لڑنا' ظلم وستم کے خلاف اسلحہ اٹھانا' یہ کہاں کی دہشت گردی ہے؟ اب تو مکہ معظّمہ میں ہونے والی ''او۔ آئی۔ سی'' کی کانفرنس نے بھی یہ بات کہہ دی ہے کہ دہشت گردی اور اپنے حق کے لیے لڑنے والوں کے درمیان جو فرق ہے اسے سامنے رکھنا چاہیے۔

کشمیر، فلسطین، افغانستان، عراق اور چیچنیا کے اندر جو کچھ بھی مسلمان کر رہے ہیں اس کا انہیں پورا پورا حق حاصل ہے۔ کشمیر میں مسلمانوں پر بھارت نے ظلم وستم کی تمام حدیں توڑ ڈالی ہیں۔ فلسطین میں غاصبانہ یہودی ریاست قائم کی گئی ہے۔ افغانستان میں شروع سے لے کر آج تک بیرونی مداخلت نے مسلمانوں کا جینا حرام کر رکھا ہے۔ مسلمانوں کی پُرامن ریاست کو بمباری کے ذریعے ختم کیا گیا۔ جو کچھ عراق میں ہو رہا ہے وہ بھی اس ظلم کا ایک شدید ردِّعمل ہے جو اس قوم پر کیا گیا ہے۔ جس بات کا بہانہ بنا کر عراق پر حملہ کیا گیا تھا' وہ جھوٹ، فریب اور دھوکا ثابت ہو چکا ہے جس کا برملا اقرار خود امریکہ کے صدر جارج بش نے بھی کیا ہے۔ لہٰذا دنیا میں جہاں بھی مسلمان ظلم وستم کے خلاف صف آراء ہیں وہ جہاد ہے کیونکہ وہ اپنے دفاع میں لڑ رہے ہیں۔ اور اس لڑائی کی ذمہ داری انہی مغربی طاقتوں پر عائد ہوتی ہے جو جہاد کے خلاف شور مچا رہے ہیں۔

ہر عمل کا ایک ردِّعمل ہوتا ہے اور ہر عمل فکر کے تابع ہے۔ فکر میں کجی اور نفاق ہو تو عمل قابلِ مذمّت ہو جاتا ہے۔ اور ایسے ہر عمل کا جس کا انصاف کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہوتا' ردِّعمل بھی ویسے ہی ہوتا ہے۔ غلط عمل کو نظر انداز کر کے ردِّعمل کی مذمت نہ انصاف کے تقاضوں کو پورا کرتی ہے اور نہ ہی انسانیت کے معیار پر پورا اُترتی ہے۔ اس وقت یہی ہو رہا ہے کہ مغربی طاقتیں اپنی غلط کارروائیوں کے بارے میں تو خاموش ہیں' لیکن اپنے غلط عمل کے ردِّعمل پر سیخ پا ہوتے ہوئے نہیں شرماتیں۔ بلکہ جہاد جیسی مقدس اور مدافعانہ جنگ کو دہشت گردی کہہ کر اپنے غلط اندازِ فکر اور غلط حکمتِ عملی کو تسکین پہنچانے میں دن رات مصروف ہیں۔ اسی کا نام دجل ہے کہ پانی کے صاف اور شفاف گلاس میں مٹھی بھر مٹی ڈال دو تا کہ پانی پینے کے قابل نہ رہے۔ انہوں نے جہاد جیسے مقدس فریضے کو دہشت گردی کا نام دے کر انسانیت کے ساتھ دجل کیا ہے جس کی جتنی مذمت کی جائے کم ہے۔

جہاد ایک ایسی اصولی جنگ ہے جس کے جواز کو دنیا کی کوئی طاقت چیلنج نہیں کر سکتی۔ قرآن وسنت اس کی پوری پوری وضاحت کرتے ہیں کہ جہاد زندگی کے تحفظ، عقیدے کے تحفظ اور شر وفساد، قتل وغارت کو روک کر دنیا میں امن قائم کرنے کا ایک مؤثر اور کارآمد ذریعہ ہے' جو دنیا میں امن برقرار رکھنے کے لیے انتہائی ضروری ہے۔ کیونکہ اس میں ظلم وستم، ناجائز زیادتیوں کو بزور روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ جس میں جارحیت نام کی کوئی چیز نہیں۔ شروع سے لے کر آخر تک مدافعت ہی مدافعت ہے۔

تاریخ اسلام اس بات پر شاہد ہے کہ اگر کہیں جہاد کے نام پر کوئی جارحیت ہوئی تو اس کی مذمت کی گئی۔ حکومت کی طرف سے اس کی باز پُرس کی گئی' فتح مکہ کے بعد حضور سرورِ کائنات ﷺ نے سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ''بنو قذیمہ'' کی طرف بھیجا تو صاف فرما دیا کہ صرف دعوتِ اسلام مقصود ہے لڑائی مقصود نہیں۔ اس واضح حکم کے باوجود سیدنا خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے تلوار سے کام لیا تو حضور اکرم ﷺ نے اس کی تلافی فرما دی' سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیجا اور انہیں کہا گیا کہ ایک ایک بچے اور فرد کا ہی نہیں بلکہ جانوروں کا خون بہا ادا کیا جائے۔ (سیرۃ النبی ﷺ، جلد اوّل ص ۶۰۵)

مصر کے مشہور مؤرخ محمد حسین ہیکل نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''حیات محمد ﷺ'' میں بھی اسی واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ آپ ﷺ نے سیدنا علی رضی اللہ عنہ کو بہت سا مال دے کر تاکید فرمادی تھی کہ جان و مال کے نقصان کی تلافی کردو، چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ وہاں تشریف لے گئے اور ان لوگوں کو دیت اور تاوان ادا کیا۔ اس کے بعد جو رقم بچی وہ بھی انہی کو دے کر چلے آئے اور کہا کہ اگر کوئی اور نقصان اس کے علاوہ ہوا ہو جس کی نشان دہی اب تک نہ ہوئی ہو تو اُسے بھی رقم سے پورا کر لینا۔

(اردو ترجمہ ''حیات محمد ﷺ'' ص ۹۰۲)

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا معمول تھا کہ وہ جب بھی جہاد کے لیے لشکر روانہ کرتے تو سپہ سالار کو ہمیشہ اس بات کی تنبیہ کرتے کہ صرف میدانِ جنگ میں جو آپ کے مدمقابل ہوں ان کے خلاف ہی قتال کیا جائے۔ سرسبز و شاداب کھیتوں اور باغات کو ویران نہ کیا جائے۔ عبادت گاہوں میں داخل نہ ہونا۔ گھر میں بیٹھے ہوئے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں پر ہاتھ نہ اٹھانا، صرف انہی سے جنگ کرنا جو تمہارے سامنے میدانِ جنگ میں موجود ہوں۔

مغربی طاقتوں کے پاس اگر کوئی ایسی مثال موجود ہو تو پیش کریں۔ روس کے اشتراکی انقلاب ۱۹۱۷ء کے بعد جو ظلم مسلمانوں کے ساتھ ہوا اس پر انسانیت آج بھی شرمندہ ہے اور قیامت تک شرمندہ رہے گی۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جو ستم ترکی کے مسلمانوں کے ساتھ کیا گیا وہ ناقابلِ بیان ہے۔ افغانستان اور اب عراق میں جس طرح مسلمانوں کو بم باری کا نشانہ بنایا گیا ہے، جس طرح معصوم اور بے گناہ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کیا گیا ہے اور جو مظالم فلسطین میں کئے جارہے ہیں اس پر مغربی طاقتوں نے کبھی سوچا کہ وہ کیا کر رہی ہیں، اور کیوں کر رہی ہیں؟ سوچنا تو درکنار وہ ذرہ برابر بھی شرم محسوس نہیں کرتیں۔ اس پر طُرّہ یہ کہ مسلمانوں کو دہشت گردی کے طعنے دیتے ہیں:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ ذرا بندِ قبا دیکھ!

دہشت گردی مسلمان نہیں کر رہے وہ تو اپنی بقا کے لیے دفاعی اور اصولی جنگ لڑ رہے ہیں۔ دہشت گردی زیر زمین وہ ایجنسیاں مغربی طاقتوں کے ایماء پر کر رہی ہیں جن کا مقصد اصولی اور دفاعی جنگ لڑنے والوں کو بدنام کرنا ہے تاکہ عام مسلمان ان کے خلاف نفرت کا اظہار کر کے ان سے لاتعلق ہو جائیں اور وہ مسلمانوں پر اپنے ظلم و ستم کا سلسلہ جاری رکھ سکیں۔ اگر مغربی طاقتیں ظلم و ستم بند نہیں کرتیں تو مسلمان جہاد کو کیوں چھوڑیں؟

وہ اپنی خُو نہ چھوڑیں گے ہم اپنی وضع کیوں بدلیں
سبک سر ہو کے کیوں پوچھیں کہ ہم سے سرگراں کیوں ہو

سید محمد معاویہ بخاری

آخری جنگ

عہدِ جدید کی سیاسی وحربی لغت میں جنگ (War) کا لفظ ایک وسیع المعنی اور کثیر الجہتی مفادات ومقاصد کا عنوان بن گیا ہے۔ بالخصوص نائن الیون کے بعد اس کے وسیع معنی کی تشریحات دنیا کے سامنے آنے لگی ہیں۔ لیکن شاید ابھی بھی اس کے متعدد مخفی معنی ومقاصد کی نقاب کشائی ہونا باقی ہے۔ ہم میں سے کتنے لوگ جانتے ہیں کہ ''آرمیگڈان'' یا ''ہرمجدون'' دنیا کی آخری بڑی جنگ کا عنوان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ بائیبل میں اس آخری جنگ کی علامات بیان کی گئی ہیں۔ دین اسلام کے تعلیم کردہ عقیدہ میں بھی اس کا تذکرہ قرب قیامت کی علامات ونشانیوں کے طور پر بیان ہوا ہے جسے ''الملحمة الکبریٰ'' کا نام دیا گیا ہے۔ اہل فکر ودانش اس کی کڑیاں نائن الیون کے بعد رونما ہونے والے خوں ریز حالات وواقعات میں تلاش کرنے لگے ہیں۔ ۷/اکتوبر ۲۰۰۱ء میں افغانستان پر حملے سے قبل امریکی صدر جارج ڈبلیو بش کے غضب بھرے خطاب میں جب کروسیڈ کا لفظ بولا گیا تو اسے ''آرمیگڈان'' یعنی ''دنیا کی آخری جنگ'' کے تناظر میں دیکھا جانے لگا۔ ۲۰۰۳ء میں پوری دنیا کی تنقید اور چین، روس اور فرانس کی سخت ترین مخالفت کے باوجود جب عراق پر حملہ کر دیا گیا تو آخری جنگ ''ہرمجدون'' یا ''الملحمة الکبریٰ'' کے تصور کو نہ صرف مزید تقویت حاصل ہوئی بلکہ برملا کہا جانے لگا۔ ''واراون ٹیرر'' دراصل آرمیگڈان ہی کا دوسرا نام ہے۔ جو حقیقت میں آغاز ہو چکی ہے۔ خود امریکی دانشوروں کے نزدیک بھی یہ دنیا کی آخری جنگ ہی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ موجودہ صدر بش اور ان کے والد بش سینئر کے الفاظ کو سمجھنا چاہیے۔ جس میں انہوں نے افغانستان اور عراق جنگ کے دونوں مواقع پر اسے خیر وشر کی جنگ قرار دیا جبکہ اس سے پہلے امریکہ کی جنگ کو کسی بھی امریکی سربراہ نے خیر وشر کی جنگ کے عنوان سے منسوب نہیں کیا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ امریکی پالیسیوں سے اختلاف رکھنے والا ایک بڑا عالمی طبقہ خیر وشر کی جنگ کو اسلام کے خلاف صلیبی جنگ کا آغاز سمجھتا ہے۔ مغرب کے بنیاد پرست عیسائیوں کے مطابق دنیا کی آخری جنگ بنی نوع انسان کو بہرحال آرمیگڈان (''الملحمة الکبریٰ'') کی طرف لے جائے گی۔ ان کے پاس مضبوط دلیل یہ ہے کہ موجودہ صلیبی جنگ کا آغاز کرنے والے امریکی صدر بش اور ان کے حامی وساتھی بنیاد پرست عیسائی ہیں۔ عالمی سیاسی وحربی تاریخ کے ماہرین کا کہنا ہے کہ عراق پر امریکی اور اس کے اتحادی عیسائی ممالک کے حملے کا اصل مقصد عالم اسلام کے قدرتی وسائل (تیل وگیس) پر قبضہ کرنا بیان کیا جاتا ہے۔ لیکن یہ بات غیر منطقی نہیں کہ ساری دنیا کی مخالفت کے ماحول میں امریکہ کو اس قبضے کے فوائد کم اور نقصانات زیادہ ہوں گے؟ اس لیے برملا کہا جاسکتا ہے کہ واراون ٹیرر کی آڑ میں تیل پر قبضے کا منصوبہ ایک حقیقت ہوسکتا ہے مگر مکمل حقیقت نہیں۔ مکمل حقیقت کو سمجھنے کے لیے ہمیں موجودہ امریکی صدر بش اور ان کے والد بش سینئر کی طرف سے اپنی جنگ کو خیر وشر کی جنگ قرار دینے والے بیانات یاد کرنا ہوں گے۔ دین اسلام نے بھی نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بعد عیسائیت ویہودیت کے خلاف ان کی آخری

جنگ کو خیر وشر کی جنگ کے عنوان سے ہی بیان کیا ہے۔ چنانچہ عیسائی دنیا کا عقیدہ ہے کہ حالیہ جنگ کے بنیادی مقاصد میں عالم اسلام کی مکمل تسخیر اور وسیع عیسائی سلطنت کے دوبارہ قیام کا منصوبہ سرفہرست ہے۔

گزشتہ چار برسوں کے دوران مغربی پریس میں شائع ہونے والے مختلف رپورٹوں سے بھی اسی منصوبہ کی تصدیق ہوتی ہے کہ عراق جنگ کا آغاز اس منصوبے کا حصہ ہے جس کے تحت مشرق وسطیٰ کا نیا نقشہ بنایا جائے گا اور وہاں چار نئی عیسائی اور تین نئی مسلمان ریاستیں بنائی جائیں گی۔ ۲۰۰۲ء میں شائع ہونے والی ایک رپورٹ کے مطابق عیسائی ریاستیں جنوبی سوڈان، شمالی مصر (قبطی ریاست) اور جنوبی لبنان پر مشتمل ہوں گی۔ مشرق وسطیٰ کی صورت حال پر گہری نظر رکھنے والے تجزیہ نگار سوڈان کے صوبہ ''ڈارفر'' میں عیسائی اقلیت کی شورشوں اور امریکہ ومغرب کی پشت پناہی کے علاوہ ان کی جانب سے سوڈان حکومت کو گھٹنے ٹیک دینے کی دھمکیوں کو اسی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ اسی طرح لبنان کے سابق وزیراعظم رفیق الحریری کے قتل کے الزام میں شام کے خلاف مقدمہ تیار ہو چکا ہے اور رفیق الحریری قتل کیس کی رپورٹ ان دنوں سلامتی کونسل میں سماعت کے مرحلوں سے گزر رہی ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ اس رپورٹ کی روشنی میں امریکی تحقیقاتی اداروں کی معاونت سے تیار ہوئی ہے۔ اس کے نتائج شام کے خلاف عسکری کارروائی کی صورت میں رونما ہوں گے۔ دوسری طرف ایران کے گرد بھی گھیرا تنگ کیا جارہا ہے اور صدر بش متعدد بار اپنی تقریروں میں ایران کو شر کی علامت قرار دے چکے ہیں اور اس کے خلاف بھی فوجی کارروائی شروع ہونا خارج از امکان نہیں ہے۔ جبکہ مصر کی قبطی ریاست کے لیے بھی صدر حسنی مبارک کو دباؤ میں رکھا جارہا ہے۔ تین نئی مسلم ریاستوں کے قیام کا منصوبہ بھی کم وبیش قریب التکمیل ہے۔ عراق کے شمال میں کرد ریاست کے قیام کے لیے ترکی کو یورپی یونین میں شمولیت کا لالی پاپ دے کر خاموش کرانے اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوششیں کی جارہی ہیں۔ کرد ریاست کے قیام سے ترکی اور ایران غیر محفوظ جبکہ عراق تقسیم ہو جائے گا۔ اسی طرح عراق میں شیعہ سنی تنازع کو بھی فروغ دیا جارہا ہے اور جس کا اختتام بہرحال ایک عراقی شیعہ ریاست کے قیام پر ہی ہوگا۔ یہ مسلکی تنازعہ صدیوں سے موجود تھا مگر اس کی نوعیت جس طرح تبدیل کر دی گئی ہے یا مسلسل کی جارہی ہے۔ دنیا بھر کا میڈیا اس کی تفصیلات کم وبیش روزانہ بیان کر رہا ہے۔ تیسری ریاست سعودی عرب کے مشرقی حصہ پر مشتمل ہوگی اور اس کے لیے بھی پوری شدومد کے ساتھ کام جاری ہے۔ سعودی عرب کو دہشت گردوں کی حمایت اور انسانی حقوق کی پامالی کے الزامات کا سامنا ہے اور عالمی سازش گر ایسے افراد کی ایک بڑی کھیپ تیار کر چکے ہیں جو مستقبل قریب میں بغاوت کے بعد اس نئی ریاست کا اعلان کر دیں گے۔ مزید اہم بات یہ ہے کہ اس آخری آخری جنگ کے ذریعہ ہی ایشیاء میں تیل کے ذخائر پر قبضہ کیا جائے گا۔ جس سے ایشیائی ممالک کی باقی ماندہ اقتصادی آزادی بھی مکمل طور پر ختم ہو جائے گی۔ جنوبی ایشیاء میں پاکستان دنیا کی واحد اسلامی مملکت ہے جو ایٹمی صلاحیت کی حامل ہے۔ عالمی سازش گروں کا اوّلین نشانہ ہے۔ تجزیہ نگاروں کا کہنا ہے کہ ایٹمی سائنسدان ڈاکٹر عبدالقدیر کو منظر سے ہٹایا جانا بھی اسی منصوبے کا حصہ ہے۔ جس کے تحت آنے والے دنوں میں پاکستان کی ایٹمی صلاحیت کا خاتمہ کر دیا جائے گا۔ یہ تمام مقاصد واقدامات بنیاد پرستوں کے نزدیک آسمانی پیش گوئی کی

تکمیل کے بنیادی اہداف ہیں۔

معروف صحافی وتجزیہ نگار جناب عبیداللہ قادری صاحب اپنے ایک مضمون میں جو ہفت روزہ ''تکبیر'' کراچی 'اشاعت ۱۹ تا ۲۵ ستمبر ۲۰۰۲ء میں بعنوان'' آرمیگڈان ......دنیا کی آخری جنگ'' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:

''پچھلے دنوں مشہور امریکی مصنف ''گریس ہال سیل''(Greas Hall Cell) کی کتاب "Forcing God's Hand" میں امریکہ کے بنیاد پرست عیسائیوں کے عقائد اور مقاصد پر ایک تنقیدی نظر ڈالی گئی ہے۔ان عقائد سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اسرائیل کا تحفظ اور اس کی وسعت صرف یہودی عقیدہ نہیں بلکہ بنیاد پرست عیسائیوں کا بھی یہی عقیدہ ہے اور یہ عقیدہ صرف اس حد تک نہیں ہے بلکہ مسجد اقصیٰ کو شہید کر کے ہیکل کی تعمیر بھی اس عقیدے کا لازمی حصہ ہے اور یہ بنیاد پرست سمجھتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام کی آمد ثانی کا اصل مقصد یہودی بادشاہت کا قیام ہے۔ان کے مطابق حضرت مسیح علیہ السلام کی آسمانی بادشاہت میں مسجد اقصیٰ ایک بڑی رکاوٹ ہے۔امریکہ میں بنیاد پرست عیسائی ''ڈسپنسینلسٹ (Dispensationalist)'' کہلاتے ہیں۔''ایونجیکل چرچ'' کے پیروکار بھی بنیاد پرست ہیں اور امریکہ میں ان بنیاد پرستوں کی تعداد ۵ سے ۷ کروڑ کے درمیان ہے۔یہ بڑی شدت سے'' آرمیگڈان'' کے منتظر ہیں'جس میں ان کے مطابق ۳/ارب لوگ ہلاک ہوجائیں گے۔ایک بنیاد پرست مبلغ ''جیری فال ویل'' ٹی وی پر تبلیغ کرتے ہیں کہ ہم سب سے آخری نسل کا حصہ ہیں۔یہ معرکہ ہمارے بچوں کی زندگی میں ہوگا۔۱۹۹۸ء میں (شائع شدہ ہفت روزہ امریکی جریدے ''ٹائم'' کے مطابق ۹۱ فیصد امریکی یہ سمجھتے ہیں کہ اکیسویں صدی میں دنیا تباہ ہوجائے گی۔اس وقت امریکہ میں ۹۰ سے زیادہ ٹی وی چینل اور درجنوں ریڈیو اسٹیشن بنیاد پرست پادریوں کی تقریریں نشر کرتے ہیں جو دنیا کی تباہی کا عقیدہ پیش کرتے ہیں۔ایک ہزار بائبل چرچوں میں اس نظریہ کی تبلیغ ہورہی ہے اور اُن کی تعداد میں اضافہ ہورہا ہے۔اس نظریہ کو ماننے والوں میں حکمران طبقے کے بااثر افراد بھی شامل ہیں۔۱۹۸۳ء میں اس وقت کے امریکی وزیر دفاع'' کیسپر وائن برگر'' نے کہا تھا کہ میرا یقین ہے کہ'' بک آف ایوی ایشن'' کے مطابق دنیا ختم ہورہی ہے۔اس عقیدے کے ماننے والے بعض اوقات خودکشی یا دہشت گردی بھی کرتے ہیں مثلاً ''اوکلوہاما'' میں فیڈرل عمارت پر بم سے حملہ کرنے والا ''ٹموتھی میک ویؤ'' یہ لوگ یہاں تک کہتے ہیں کہ درخت بھی مت لگاؤ۔اس کا کوئی فائدہ نہیں نہ ہی اب مہلت رہی ہے۔پنٹی کوسٹل اور ساؤتھ بیلپمنٹ چرچ بھی اس عقیدے کو اپنا رہے ہیں۔بنیادی طور پر اس عقیدے کو سب سے زیادہ اپنانے والے ''ایوانجیکل ازم'' کے لوگ ہیں جو ایک چوتھائی امریکیوں کا مذہب ہے۔

آرمیگڈان کی جنگ کے بارے میں ان بنیاد پرستوں کا عقیدہ ہے کہ فلسطین (اسرائیل) میں ''میگوڈو'' کے مقام پر ہوگی۔صدر ریگن نے ۱۹۸۳ء میں اسرائیلی رہنما سے بات کرتے ہوئے کہا تھا کہ'' آرمیگڈان'' کی علامتیں موجود ہیں ہیں۔شاید ہم ہی وہ نسل ہیں جو یہ جنگ دیکھے گی۔۱۹۸۱ء میں ریگن نے عیسائی پادریوں سے ملاقات میں کہا تھا کہ سلطنت روما کی تجدید نو ہوگی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کو غارت کرنے والوں پر حملہ کریں گے پھر'' آرمیگڈان'' کی جنگ ہوگی اور

یروشلم سے ۲ سو میل تک خون بہے گا۔ سلطنت روما کی تجدید نو سے مراد یورپ کا اتحاد ہے' بنیاد پرست کہتے ہیں کہ آرمیگڈان کی جنگ ایٹمی ہوگی۔ اس جنگ میں دونوں طرف سے ایٹمی اسلحہ استعمال ہوگا اور پہلا وار حضرت عیسیٰ علیہ السلام کریں گے اور ایٹم بم چلائیں گے۔ اس جنگ کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام حضرت داؤد علیہ السلام کی کرسی پر پہنچیں گے (یعنی یہودی ریاست کی تکمیل کریں گے) یورپی اتحاد بھی آرمیگڈان کا تقاضا ہے۔ اس اتحاد کا آغاز ۱۹۴۸ء میں ہوا تھا۔ آج مغربی یورپی یونین بنی ۔۱۹۴۹ء میں یہ اتحاد جنگی شکل اختیار کر گیا اور نیٹو تباہ ہو گیا۔ اب یورپی یونین بہت وسیع ہو گئی ہے۔

بنیاد پرستوں کے ان گمراہ کن عقائد کا آغاز ''اسکوفیلڈ'' کی بائبل سے ہوا جس کے بعد بنیاد پرست مسیحی یہودیوں کا ضمیمہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ''اسکوفیلڈ'' بائبل نے یہ عقیدہ دیا کہ اسرائیل کا قیام لازمی ہے اور اگر عیسائی چاہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جلد آ جائیں تو انہیں کچھ اقدامات کرنا ہوں گے۔ یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد مقدر نہیں بلکہ عیسائیوں کے کچھ اعمال سے مشروط ہے۔ ''اسکوفیلڈ'' نے ان اقدامات میں بڑی خوبصورتی سے یہودیوں کی حمایت کو شامل کیا ہے۔ یہ بائبل سب سے پہلے ۱۹۰۹ء میں چھپی۔ اس میں کہا گیا ہے کہ آرمیگڈان کی جنگ جیتنے کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام تخت داؤد پر پہنچیں گے۔ اس بائبل کے عقیدہ رکھنے والے کے مطابق خدا کے پاس عیسائیوں کے لیے ایک جنتی منصوبہ ہے اور یہودیوں کے لیے ایک ارضی منصوبہ۔ تاہم خدا کے پاس مسلمانوں کے لیے کوئی منصوبہ نہیں ''اسکوفیلڈ'' کو ماننے والے ''ڈسپنسینلسٹ کی بائبل'' اصل بائبل کی اس تعلیم کی نفی کرتی ہے کہ خدا کی رحمت سب کے لیے ہے۔ ''اسکوفیلڈ'' کے مطابق خدا کی رحمت صرف یہودیوں اور عیسائیوں کے لیے ہے۔ اس بائبل نے مسیحیت کو یہودی کا یرغمال بنا دیا ہے اسی کے مطابق مرکزیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو حاصل نہیں بلکہ یہودیوں اور اسرائیل کو حاصل ہے اور یہ کہ خدا کی اولین ترجیح عسائیت نہیں بلکہ یہودی ریاست ہے یہاں تک کے خدا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو واپسی کی اجازت اس وقت تک نہیں دے سکتا جب تک یہودی اپنے زمینی فرائض ادا نہیں کر لیتے یہ بات بائبل میں کہیں نہیں ہے مگر ''اسکوفیلڈ'' کی تعلیم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد ثانی یہودی بادشاہت کے لئے ہوگی اور وہ قدیم عہد نامے کی عبادت کو فروغ دیں گے حالانکہ بائبل کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام دائمی بادشاہ ہیں ''اسکوفیلڈ'' کے مطابق حضرت عیسیٰ علیہ السلام یروشلم کی قیدی عبادت گاہ پہنچیں گے جو اس وقت موجود نہیں ہے (اس کی جگہ پر مسجد اقصیٰ ہے) بنیاد پرست پادری عیسائیوں کو تلقین کرتے ہیں کہ وہ اس ملک یعنی یہودی مقاصد کو مان لیں تو انہیں برکتیں ملیں گی، اس فرقے کے ۸۰ ہزار پادری ہیں۔ ان کے پاس ایک سو ٹی وی چینل ہیں اور بڑی بڑی تعلیم گاہیں بھی ہیں۔ یہ بائبل ''سائرس اسکوفیلڈ'' نے لکھی تھی جو ۱۸۴۳ء میں پیدا ہوا اور ۱۹۲۱ء میں امریکہ میں مر گیا۔ ۱۸۷۹ء میں اسے جعل سازی کے تحت ''سینٹ لوئی'' میں قید کی سزا ہوئی۔ اس سزا کے بعد وہ مذہبی بن گیا۔ ماضی میں عیسائیوں نے کبھی یہودی کارناموں سے رومانوی محبت نہیں کی۔ یہ ''اسکوفیلڈ'' کا اعجاز ہے کہ اب ایسا ہو رہا ہے۔

جمی کارٹر نے کہا کہ اسرائیل بائبل کی تکمیل اور حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی آمد کے لیے ضروری ہے کہ ''قبۃ الصخریٰ'' مسجد اقصیٰ گرا دی جائے۔ بنیاد پرست کہتے ہیں کہ یہ حضرت عیسیٰ کے فرمان کے مطابق ہے اور یہودیوں کو

عیسائیوں سے مل کر مسجد اقصیٰ گرا کر ہیکل سلیمانی بنانا چاہیے۔ مقدس جنگ کے لیے اس مسجد کو گرانا ضروری ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مسلمان مسجد شہید ہونے پر بھڑک اٹھیں گے پھر جنگ ہوگی پھر ہیکل بنے گا۔ اس مقصد کے لئے ایک امریکی عیسائی عورت "ٹیری روزن ہودا'' نے'' یروشلم ٹمپل فاؤنڈیشن'' بنائی ہے جس کا مقصد ہیکل کی تعمیر ہے وہ اس مقصد کے لئے تقریریں بھی کرتی ہے۔ اسرائیل میں ہیکل کی تعمیر کے لیے سرگرم یہودی فاؤنڈیشنوں کو سب سے زیادہ رقم امریکہ سے آتی ہے۔ کچھ برس قبل چھپنے والی کتاب میں لکھا گیا ہے کہ صحائف کی پیش گوئی پوری ہوئی اور اسرائیل کا اقتدار اور اس کی قیادت عیسائیت کے ہاتھ آ گئی ہے۔ امریکی یہودی رہنما ''لیلک اسنک'' کا کہنا ہے کہ بنیاد پرست عیسائیوں اور یہودیوں میں اتحاد ہونا چاہیے۔ امریکی ریاست ''کولوریڈو'' کے شہر ''ڈینور'' کا مسیحی بنیاد پرست رہنما ''ڈگلس کریگلر'' مسجد اقصیٰ کو گرا کر ہیکل سلیمانی کی تعمیر کے لیے چندہ اکٹھا کر رہا ہے۔ ڈگلس کا کہنا ہے کہ خود خدا بھی طاقتور اور جنگجو اسرائیل کا حامی ہے۔ یہ انکشاف بھی اہم ہے کہ ۱۹۸۲ء میں جب موجودہ اسرائیلی وزیراعظم ''شیرون'' نے لبنان پر حملہ کر کے دو لاکھ مسلمان شہید کیے تو امریکہ کا بنیاد پرست پادری ''پیٹ رابرٹسن'' اسرائیلی جیپ میں سوار ہو کر اس حملے میں شریک تھا، امریکی شہری یہودیوں نے بھی اس جنگ میں حصہ لیا، امریکی قانون کے مطابق امریکی یہودی اسرائیلی فوج میں رضا کارانہ شامل ہو سکتے ہیں۔ بنیاد پرست پادری ''فال ویل'' کا کہنا ہے کہ کہ ہر عیسائی کو چاہیے کہ اسرائیل کی حمایت کرے۔ اگر ہم اسرائیل کو تحفظ نہ دے سکے تو ہم خدا کے آگے اپنی اہمیت کھو دیں گے۔ ''فال ویل'' نے ۱۹۶۷ء میں اسرائیل جا کر اعلان کیا کہ خدا امریکہ پر مہربان ہے۔ محض اس لیے کہ امریکہ یہودیوں پر مہربان ہے۔ ان عقائد اور منصوبوں سے بش کی حالیہ ''کروسیڈ'' کے مقاصد سمجھ میں آسکتے ہیں اور اچھی طرح اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ جنگ محض تیل کی نہیں، بش کے مذہبی عقائد کی جنگ بھی ہے۔ پاکستان سمیت عالم عرب اور وسط ایشیاء جس کی زد میں ہیں۔

مولانا عبدالرحمٰن
شیخ الحدیث' دارالعلوم ٹنڈو آدم (سندھ)

قیامِ عدل..... پاکستان کی سلامتی

تخلیق انسانی کے بعداس کے شروعات میں ہی فسادات شروع ہوگئے تھے۔قتل ہابیل پر فسادات کی بنیاد شروع ہوئی۔جیسے جیسے انسانوں کی نفری بڑھتی آئی' فتور بھی اٹھتے چلے آئے۔حتیٰ کہ وہ لوگ جو معاشرے میں بغرض اصلاح آئے تھے'لوگوں نے انہیں معاف نہ کیااوران کوقتل کردیا گیا۔ایسادور بھی آیا کہ بڑے بڑے برگزیدہ افرادکوجلتی آگ اورابلتے تیل میں زندہ جھونک دیا گیا۔بعض بدنصیبوں میں ایسے خون خرابے عام مشغلہ بن گئے۔اس معاملہ میں فرعون بدبخت' بہت ہی آگے بڑھا ہوا تھا۔بے رحم، بے ترس، نہایت جاہل اور بے وقوف، آوارہ اور بدتر خیالات کا بادشاہ گزرا ہے۔کمزورلوگوں نے جب طاقتوروں سے بہت سی چوٹیں کھائیں تو گھائل وجود متمنی ہوئے کہ ضابطۂ اخلاق ضرور ہونا چاہیے تو قانون اور عدالت کا عدل ایک انسانی فطری تقاضہ اٹھا جس سے قوانین اورعدالتیں وجود میں آئیں۔عدالت کا مقصدانسانی وجود کا تحفظ ،عزت آبروکی حفاظت، رعایا کے مال ومتاع کے گرد حفاظتی حصار ہوا کرتا ہے کہ دنیا کے اندرامن ہو،سکون ہو،فسادات نہ ہوں،قانون ہواوراس کی حکومت ہو۔قانون امن کی ضمانت دیتا ہے۔قانون انسانی بقا کا ضامن ہوتا ہے۔قانون میں رعایت نہیں۔قانون کی گرفت بہت ہی مضبوط ہوتی ہے۔جب ایک انسان اپنے حدود سے تجاوز کرتا ہے تو قانون اسے سزادیتا ہے بلکہ قانون اس کے وجودکو دیکھنا ہی نہیں چاہتا۔جو ہاتھ دوسرے کی ملکیت کی طرف بلاوجہ بڑھتا ہے' قانون اس ہاتھ کوتوڑ دیتا ہے۔غرضیکہ قانون سکون، وقاردیتا ہے۔قانون عزت وآبروکا رکھوالا ہوتا ہے۔قانون باہمت اور طاقت ور ہوتا ہے۔عادل نائبِ خدا ہوتا ہے۔عادل دکھی انسانیت کا مداواہوتا ہے۔عادل ہی کی عدالت سے نظام مملکت سنورتا ہے۔عادل کی وجہ سے ملک شاداب ہے۔بارشیں ہیں تو عادل کی عدالت سے، برکتیں ہیں تو عادل کی عدالت سے۔ جب مخلوق معمور ہورب غفور ہے۔عادل جب عدالت سے ہٹ کرظلم پراتر آتا ہے تو زمین ہلنے لگ جاتی ہے۔دریاؤں کی مچھلیاں، بلوں کی چونٹیاں بلبلا اٹھتی ہیں۔سمندروں میں طوفان برپا ہوجاتے ہیں۔دریاؤں کے راستے بدل جاتے ہیں۔ آندھیاں غضب ڈھاتی ہیں۔جانور بددعاؤں پر آجاتے ہیں۔برملاان کی اپنی زبان سے یہ الفاظ نکل پڑتے ہیں **مُنِعْنَا عَنِ الْقِطْرِ بِظُلْمِ الظَّالِمْ** . عدالتوں کے ظلم کی وجہ سے زمین اپنے ذخائرسکیڑ لیتی ہے۔آسمانوں سے اترتی رحمتیں رک جاتی ہیں ۔مخلوق قحط سالیوں کی بربادیوں کی لپیٹ میں آجاتی ہے کیونکہ کارہائے نظام برپا ہے تو فقط عدل سے ہے۔قیامِ پاکستان سے قبل نعرہ تھا'' پاکستان کا مطلب کیا لا الہ الا اللہ۔مگراس خوش کن نعرہ کوفریب اوردھوکے میں تبدیل کردیا گیا۔لا الہ الا اللہ کے تقاضے کو پورا کرنے کی بجائے طاغوتی شخصیتوں کولوٹنے کا موقع فراہم کیا گیا۔اورانگریز دشمنی کا انتقام لیا گیا۔اگرمقصدلا الہ

الا اللہ ہوتا تو ملک میں اس وقت شاہ دماغ علماء اور قانون دان موجود تھے چند ہی گھنٹوں میں خلفاء راشدین کے قوانین کا خاکہ پیش کر کے ملک کا نظام چلا سکتے تھے مگر بدقسمتی سے یہ نہ ہوا۔ بلکہ انگریز کا بنایا ہوا قانون اس لُٹی پھٹی قوم پر لاگو کر دیا گیا۔ جیسے ہی یہ ایکٹ لاگو ہوا تو لٹیروں نے بغلیں بجائیں کہ ''بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا'' خود مسٹر جناح سے مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے فرمایا کہ شرعی طور پر چور کی سزا مقرر کر دو تو یہ کہہ کر ٹال دیا گیا کہ ہاتھ کاٹ دینا وحشی سزا ہے۔ چوری، ڈکیتی، زنا، اغوا، دھوکا، لوٹ کھسوٹ، عریانی وفحاشی کی تباہ کاریاں، شیطان سے دوستی، رحمٰن سے دشمنی، عدل سے نفرت، ظلم سے محبت جیسے بے شمار افعال بد پیدا ہوتے چلے گئے۔

بلبل ہمہ تن شدگل گل ہمہ تن شد خون
وائے بر بہارے گر ایں است بہارے

کیا لا الہ الا اللہ کا یہی تقاضا تھا کہ ملک کا پہلا وزیر خارجہ کافر، پہلا وزیر دفاع کافر، پہلا گورنر بینک دولت پاکستان کافر۔ سوائے ایک آدھ جزئی کے ابتدائی قانون کفریہ۔ جب قانون کی حاکمیت نہ ہوئی تو ملک کا پہلا وزیر اعظم قتل ہوا اور اس مقدمے کو تہہ خانہ میں ڈال دیا گیا جس کو آج تک ظاہر نہ کیا گیا۔ قتل کرنے والے قادیانی تھے کیونکہ ان کا اہم آدمی مسٹر ظفر اللہ' ملک کا اہم ذمہ دار (وزیر خارجہ) تھا۔

۱۹۵۳ء کی خالص اسلامی تحریک ''تحفظ ختم نبوت'' میں ہزاروں مسلمانوں کو قتل کرایا گیا۔ اسمبلیوں میں آئے دن قانون بنتے اور بگڑتے رہے۔ ملک' مارشل لاء کے بوجھ تلے دبتا چلا آیا۔ پاکستان کا نظام عدل ہمیشہ برسر اقتدار طبقہ کے ہاتھوں میں مقید رہا۔ جب جج رشوت کھا کر ملک کے قانون کو پامال کرے تو کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ ملک ترقی کرے گا۔ بیسیوں سیاسی قتل ہوئے، کئی دفعہ ہوائی جہاز ہائی جیک ہوئے۔ آدھا ملک حکمرانوں کی بدکرداری سے کٹ گیا۔ پاکستان کا کوئی محکمہ نہیں جہاں رعایا کی جیب تراشی نہ کی جاتی ہو، کوئی مقام ایسا نہیں جہاں انسان اپنے بھائی کا گوشت نہ کھا رہا ہو۔ مدتیں گزر گئیں مگر ملک کو استحکام حاصل نہ ہوا۔ مرزائی، قادیانی حکومت برطانیہ کا خود کاشتہ پودا ہے۔ اس نے مسلمانوں کا سیاسی رخ بدلنے کے لیے ایک جھوٹا نبی تیار کیا۔ اس گروہ نے بڑے بڑے افریت نما افعال بدانجام دیئے مگر تقدیر کی بے آواز لاٹھی نے ۱۹۷۴ء میں انہیں کافر قرار دیا۔ اس وقت یہی قادیانی امریکہ کی ضرورت ہیں۔ امریکہ کے کہنے پر ملک کے صدر نے قادیانیوں کو کھلی چھٹی دی ہوئی ہے۔

ملک میں جنگل کا قانون ہے۔ ہر طرف افراتفری، بے چینی اور بدامنی ہے۔ اس کے ذمہ دار بے دین حکمران اور سیاست دان ہیں۔ پاکستان اللہ کی نعمت ہے۔ ہم نے پہلے بھی اس کی قدر نہیں کی اور سزا بھگتی۔ اب بھی ناقدری کر رہے ہیں اور اس کی سزا بھی بھگتیں گے۔ جب تک نظامِ عدل اور نظامِ حکومت' اسلامی نہیں نہیں ہوگا حالات یہی رہیں گے۔ اللہ ہمارے حال پر رحم فرمائے اور ملک کی حفاظت فرمائے۔ (آمین)

شورش کاشمیریؒ

لا الہٰ الا اللہ

کلیدِ حمد و ثناء لا الہٰ الا اللہ
خلاصہ ہائے دعا لاالہٰ الا اللہ

مسافرانِ حرم شرق و غرب تک پہنچے
بنا کے راہ نما لا الہٰ الا اللہ

بہ پیشِ خسروانِ تیغ بدست
زباں پہ آ ہی گیا لا الہٰ الا اللہ

ہمہ خیال فسانہ ہمہ دلیل غلط
بنا ئے ارض و سما لا الہٰ الا اللہ

نثار سید کونین پر مرے ماں باپ
سبق دیا بھی تو کیا لا الہٰ الا اللہ

نظر پڑی جو کہیں بارگاہِ سلطانی
دماغ و دل نے کہا لا الہٰ الا اللہ

میں اس چمن میں عزیب الدیار ہوں شورشؔ
مگر ہے میری نوا لا الہٰ الا اللہ

پروفیسر خالد شبیر احمد

نعت رسولِ مقبول ﷺ

انسانیت کی اوج پہ توقیر ہو گئی
دھرتی پہ اُن کے نور سے تنویر ہو گئی

آنسو گرا جو ایک بھی الفت میں آپ کی
مٹی میرے وجود کی اکسیر ہو گئی

رکھی میری سرشت میں مدحت حضور کی
بخشش کی میری دیکھئے تدبیر ہو گئی

وہ لمحہ جس کو کہتے ہیں معراجِ مصطفیٰ
انسانیت کے فخر کی تصویر ہو گئی

گر ایک پل بھی اُن کی حضوری کا مل گیا
سمجھو دل و نگاہ کی تطہیر ہو گئی

اعجاز ہے حضور کی چشم کرم کا یہ
مجھ بے نوا کی دہر میں توقیر ہو گئی

دیکھو فضائے سدرہ ہے مغموم آج بھی
شاید فراقِ شاہ میں دلگیر ہو گئی

مجھ کو ملا ہے نسبتِ سرکار کا شرف
ایسے معاف ہر میری تقصیر ہو گئی

اک اینٹ رہ گئی تھی نبوت کے قصر میں
آپ آ گئے تو ختم یہ تعمیر ہو گئی

خالدؔ اُنہی کے نام سے ہے رنگِ کائنات
دنیا نگاہِ حسن کی نخچیر ہو گئی

سید ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ (ایک تأثر)

حج بیت اللہ کو یاد کر کے.....!

تمناؤں کا مرکز اک سفینہ سمندر کا تموّج قہرمانی
وہ ساحل کا سکوں اس کی متانت وہ صحرا میں تپش کی حکمرانی
وہ میقاتِ یلَملَم اور احرام وہ لبیک و درود و رجز خوانی
وہ بن کھیتی کا خطہ ارضِ بکّہ وہ کعبہ کی جلال آگیں نشانی
خوشا دیوانگی در طوفِ کعبہ زہے بو سیدنِ سنگِ جنانی
حطیم و بابِ کعبہ پر دعائیں وہ فیضِ عام اور رکن یمانی
وہ جَدْوَل نور کی میزاب رحمت سوادِ کعبہ کی وہ ضو فشانی
وہ رونا اور لپٹنا ملتزم سے وہ شوقِ وصلِ حسن لامکانی
گلوگیری وہ آوازوں میں رقّت ندامت اور اشکوں کی روانی
وہ لرزاں ہاتھ اور دامن کسی کا وہ ترساں چہرے اور آنکھوں میں پانی
مصلّائے براہیمی میں سجدے مبارک اقتدارِ نیک بانی
وہ روحوں کی پیاس اور سوز باطن وہ زمزم اس کی وہ فیضاں رسانی
ازل کے عہد کی تجدیدِ دائم بہ بیں موجِ بقا در بحرِ فانی
صفا مروہ پہ مجنونانہ گردش وہ حیرانی میں ذوقِ کامرانی
شعب اور بوقبیس و دارِ ارقم یہاں پوشیدہ ہے حق کی کہانی
وہ عرفات و منیٰ و مظہرِ عشق وہ مزدلفہ کی شبِ زرّیں سہانی
وہ خیف و نمرہ میں عجز و تعبّد وہ مشعر میں وقوفِ بے مکانی
وہ ظہر و عصر کی تکبیر یکجا وہ مغرب اور عشاء کی ہمعنانی
رقیب رو سیہ کی نامرادی وہ رمی جمرہ وجہِ شادمانی
غلامی اور آقائی کے منظر
وہ باقی اور یہ مخلوق فانی

پروفیسر حافظ عبدالرحمٰن مجاہد
چیئرمین شعبۂ اردو
ایس، ایم، اے کالج سکھر

زلزلہ اور اس کے اسباب

خدایا آٹھ اکتوبر کو قسمت سو گئی میری
غضب ٹوٹا کہ میری چھت ہی دشمن ہو گئی میری

مری بلڈنگ ،مرا بنگلہ ،دکانیں اور چوبارے
پلک جھپکی، خدا نے کس طرح مٹی پہ دے مارے

زمیں کانپی ، پہاڑ اپنی جگہ سے ہل گئے سارے
جوان و پہلواں مٹی کے اندر مل گئے سارے

کوئی ملبے پہ بیٹھا کہہ رہا تھا اور روتا تھا
کہ لوگو! اس جگہ پر شہر بالا کوٹ ہوتا تھا

جہاں بربادیاں ہیں اور خاموشی کا پہرا ہے
یہ میرا مانسہرا ہے ،یہ میرا مانسہرا ہے

زمیں پر زلزلے ، آسماں سے برف باری ہے
مگر وانا میں یارو! خونِ مسلم اب بھی جاری ہے

یہ حکمِ بش ہے، مسلم آج کیوں دنیا میں باقی ہیں
یہ وانا اور افغاناں ، فلسطینی ، عراقی ہیں

ہے امریکہ بہادر اور ہم سب اس کے بندے ہیں؟
مسلمانی یہی ہے؟ کیا یہی مسلم کے دھندے ہیں؟

کراچی عالموں کا ایک قبرستان ہے گویا
یہ پاکستان ، پاکستان ، پاکستان ہے گویا

نہ ہے چین و عرب پر اور نہ فارس پر ہے پابندی
کہ میرے ملک میں دینی مدارس پر ہے پابندی

مجاہد کو جہادِ زندگی بھی اب تو گالی ہے
کہ یہ روشن خیالی ہے مگر ایماں سے خالی ہے

ذوالکفل بخاری (اُملج)

کعبے کا امام

امام مکے سے آیا تھا اور نماز ملتان میں پڑھی جارہی تھی، ہر طرف سر ہی سر تھے اور ہر جگہ صفیں ہی صفیں۔ مدرسے کی وسیع مسجد اور اس سے ملحق سبزہ زار بھی، کھلا میدان بھی اور روشیں بھی.....حتیٰ کہ مدرسے سے باہر کی سڑکیں بھی' صف بستہ نمازیوں سے پُر تھیں۔ امام صاحب نے اس دن مغرب کی پہلی دو رکعتوں میں' قدرے طویل تلاوت کی تھی لیکن مغرب کی نماز کو آخر کتنا طویل ہونا تھا؟ نماز ختم ہوگئی۔ ایک کیفیت ختم ہوگئی۔ یوں لگا کہ سماعت کو ایک سرور اور دل کو ایک دھڑکن بس چند منٹ کے لیے ودیعت ہوئی اور پھر کھو گئی۔

آج اخبار میں خبر پڑھی کہ شیخ علی جابر' اللہ کو پیارے ہوگئے تو زبان سے بے اختیار نکلا ''اناللہ وانا الیہ راجعون''۔ ذہن میں یکا یک ایک تصویر سی چمک اٹھی۔ ۱۷ سال پہلے کی وہ نماز ہمیں بہت یاد آئی جو شیخ علی عبداللہ بن علی جابر کی اقتدا میں' خیر المدارس ملتان میں ۱۹۸۸ء میں ادا کی گئی تھی۔ تب وہ امام کعبہ تھے۔

حرم مکہ کے موجودہ ائمہ میں سے شیخ عبدالرحمٰن السدیس اور شیخ سعود الشریم اپنے اپنے منفرد لہجوں سے گویا گوشِ سماعت اور گوشِ دل کے فاصلے مٹا دیتے ہیں۔ لیکن اس سال رمضان میں' شیخ صلاح البدَیر اور شیخ عبداللہ عواد الجہنی' مدینہ طیبہ سے مکہ مکرمہ بلائے گئے۔ تراویح اور قیام کے لیے۔ مدینہ والوں کو ان کا بلایا جانا اچھا تو نہیں لگا لیکن حرم مکہ کے نمازیوں کے لیے رمضان کی یہ راتیں پہلے سے کہیں بڑھ کر یادگار اور پر کیف رہیں۔ آنسوؤں میں ڈوبی ہوئی، سسکیوں میں دبی ہوئی اور تاثیر سے بھری ہوئی۔ صلاح البدیر' قدم قدم پر رو دیتے ہیں' بالکل یوں جیسے بچہ بے تابانہ بلکتا ہے۔ اور عبداللہ الجہنی' جوان بلکہ نوجوان، پڑھتے نہیں بہتے ہیں۔ ایسا بہاؤ جس میں عجز، مسکنت، حلاوت، سکینت اور نجانے کیا کچھ سننے والوں کو بہائے لیے جاتا ہے۔

شیخ علی جابر کی وفات کا سنا تو دل میں وہ جو ایک امید سی تھی کہ شاید کبھی ان کی اقتداء میں نماز پڑھنا ایک بار پھر نصیب ہو' وہ امید دم توڑ گئی۔ ادھر ملتان میں تھا تو حبیب گرامی' مولانا حبیب الرحمٰن ہاشمی حفظہ اللہ کی تلاوت میں شیخ علی جابر کی طرزِ ادا کا عکس سا دیکھا کرتا تھا۔ تجوید میں نے سیکھی نہ پڑھی' لیکن یونہی ایک دلچسپی سی پیدا ہوگئی۔ نتیجہ یہ کہ اپنی محرومی کا احساس بھی پیدا ہوا۔ اور یہ احساس گرد و پیش پر نظر کرتے اور شدید.....اور گہرا ہو جاتا ہے۔ قرآن کا پڑھنا، ترتیل کے ساتھ پڑھنا، لحون عرب میں پڑھنا اور حضور قلب سے پڑھنا.....افسوس ان میں سے ایک ایک لغت پر زوال آرہا ہے' اور ہم اپنے زوال کی نشانیاں نجانے کہاں ڈھونڈ رہے ہیں؟

ایک لطیفے کی بات یاد آ گئی۔ کچھ روز ہوئے ایک دوست کے یہاں بیٹھا تھا۔ ٹی وی پر کوئی ہندوستانی چینل چل رہا تھا۔ ایک پروگرام پیش کیا گیا.....''استاد بسم اللہ خان'' پر۔ استاد' اس وقت ہندوستان کے سب سے بڑے شہنائی نواز ہیں۔ بہت بوڑھے، چہرے پر جھریاں، وجود اکہرے سے بھی کچھ کم۔ لیکن آنکھوں میں چمک، بدن میں چستی اور سانس پر تو ایسا قابو کہ دیکھنے والے کا سانس' جسے دیکھ کر ہی رک جائے۔ استاد نے بہت سی باتیں کیں۔ فن موسیقی پر۔ اس کی مشرقی اور کلاسیکی

روایت پر۔لیکن ان کا سب سے زیادہ زور اس بات پر تھا کہ سچا سُر' سچے من سے پھوٹتا ہے۔ریاضت اپنی جگہ،لگن اپنی جگہ لیکن.....دل ونظر جو''مسلماں''نہیں تو کچھ بھی نہیں۔پھر استاد نے''سارے گاماپا.....''کوالٹ پلٹ کر عجیب پرسوز انداز میں دوچار بار گایا۔اچانک بولے'اب سنیے۔کیا؟ارے.....استاد نے کہا''اللہ جل جلالہٗ''۔کہا نہیں.....گایا۔جم کر اور ڈوب کر۔ایک بار،دوبار،تین بار۔اور واقعہ یہ ہے کہ استاد کی آواز سننے والے کے پورے وجود میں سرایت کر رہی تھی۔مجھے اس وقت ماموں سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ بہت یاد آئے۔فرمایا کرتے تھے کہ یہ سانس روکنے اور کھینچنے کی کیفیات میں اللہ کا ذکر'ہمارے تصوف میں ہندوؤں کے یہاں سے آیا ہے۔بول،بندش،راگ،راگنی،سُر،تال،خیال.....غرض موسیقی کو کتنی ہی جہتوں سے''مسلمان''بنانے کی کوششوں میں ہم نے سلوک وتصوف کو''موسیقیا''دیا۔ایک اہم حوالہ'اس ضمن میں' وہ قاری محمد طاہر قاسمی رحمتہ اللہ علیہ (قاری محمد طیب صاحب رحمتہ اللہ علیہ کے بھائی) کی کسی کتاب سے ہمیشہ دہرایا کرتے تھے۔مجھے وہ حوالہ مستحضر نہیں'البتہ کتاب کا دیکھنا خوب یاد ہے۔

عام ائمہ مساجد کا کیا کہنا'ہمارے ہاں اچھے اچھے فارغ التحصیل مولوی صاحبان کو'اللہ تعالیٰ مجھے معاف فرماویں' نہیں معلوم کہ تلاوتِ قرآن کی''لذت''کیا ہوتی ہے۔وہ کونسا نور ہے جو کانوں کے راستے سے دل میں'اور دل سے پورے وجود انسانی میں سرایت کرتا ہے۔گستاخی معاف!بڑے بڑے دھواں دار بلکہ دھاری دار خطیب،مقرر اور واعظ ہمارے یہاں قرآن کو مجہول پڑھتے ہیں۔اور بدآوازی؟سننے والوں کے لیے یہ ایک''دردناک عذاب''ہے جو مستزاد ہے۔وعظ فروشوں اور خطابتی سوداگروں میں البتہ کچھ ایسے بدنفس بھی ہوتے ہیں جو باقاعدہ راگوں راگنیوں میں تلاوتِ قرآن کرتے ہیں۔۱۹۹۶ء میں'میری ملازمت لیہ میں تھی۔وہاں ایک صاحب ہمارے ساتھ ہی ملازم تھے۔تعارف بڑھا تو معلوم ہوا کہ آپ کلاسیکی موسیقی سے خصوصی علاقہ رکھتے ہیں۔ایک رافضی مولوی نے ان سے باقاعدہ راگ سیکھے اور پھر راگ میں تلاوت کی مشق کی۔پھر موصوف نے'مجلس خوانی''میں''تلاوت''سے رُلا دینے کی شہرت پائی اور''حافظ صاحب''کہلائے

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمتہ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ''آداب تلاوت تو بہت ہیں مگر میں ایک ہی ادب بیان کرتا ہوں جس میں سب آجائیں۔یوں خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ تم پڑھو'ہم سنتے ہیں۔تب یقیناً سنوار کر پڑھے گا''۔جس چیز کو حضرت نے سنوار کر پڑھنا فرمایا'اس میں سرزمینِ مصر کا اپنا ایک امتیاز ہے۔ سال بھر ہوا۔ایک روز شام (Syria) کے ایک قاری صاحب کو'شام ہی کے ٹی وی سے تجوید کا پروگرام پیش فرماتے دیکھا۔ انہوں نے تجوید کے بعض قواعد وقوانین اور کلیات وضوابط کی وضاحت بھی کچھ فرمائی'(یہ ایک سلسلہ وار پروگرام تھا) لیکن ایک بات کو خصوصاً واضح فرمایا'اور یہ وہی بات تھی جس کی طرف ہمارے یہاں توجہ کم کم ہے۔یعنی.....طرزِ ادا۔انہوں نے اس کے لیے''نغم''(ن غ م) کا لفظ استعمال فرمایا'جس کی جمع انغام اور انا غیم آتی ہے۔جس خوبی سے اور عملی مشق سے انہوں نے مصر کے اکابر اور مشائخ قراء کے لہجوں کی اور لحون کی وضاحت فرمائی'وہ دیدنی بھی تھی اور شنیدنی بھی۔عبدالباسط، محمد صدیق المنشاوی،مصطفیٰ اسماعیل اور ان سے بھی پہلے محمد رفعت اور عبدالفتاح شعشاعی وغیرہم (رحمتہ اللہ علیہم اجمعین) کی تلاوتیں سن کر دل پر جو چوٹ پڑتی ہے'اُس کے کئی بھید اس روز کھلے۔فن کے اسرار اور نزاکتیں کھلیں۔افسوس ان قاری صاحب'جو خاصے بزرگ لیکن بہت پردم تھے'کا نام بھول گیا۔

میں پہلے عرض کر چکا ہوں کہ تجوید ہرگز ہرگز میرا میدان نہیں ۔لحن خفی ،لحن جلی ،یا.....اظہار ،اخفاء ،تفخیم ،ترقیق وغیرہ کی مجھے ہوا بھی نہیں لگی ۔ہاں البتہ کچھ ایسی آوازیں تلاوت کی ضرور ان کانوں نے براہِ راست سنی ہیں کہ اب ان سے بہتر آوازیں شاید ہی سننے کو ملیں ۔مثلاً قاری عبدالوہاب العوفی المکی رحمتہ اللہ علیہ جو ماموں سید عطاء المحسن بخاری رحمتہ اللہ علیہ اور سید عطاء المہیمن بخاری مدظلہ کے استاد تھے اور امام القراء حضرت قاری عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ کے سلسلے کے نمائندہ بزرگ تھے ۔ماموں عطاء المحسن بخاری علیہ الرحمتہ خود قاری عبدالمالک رحمتہ اللہ علیہ کے شاگرد تھے ۔وہ بتلایا کرتے تھے کہ قاری صاحب مجھے فرماتے ''آواز کو پھینکنا سیکھو جیسے تمہارے ابا پھینکتے تھے''۔اور پھر جنہوں نے سید عطاء المحسن بخاری علیہ الرحمتہ کو سنا ہے وہ خوب جانتے ہیں کہ آواز کا یہ ''پھینکنا'' قدرت کا ان پر ایسا انعام تھا جس میں وہ لاکھوں نہیں کروڑوں میں ممتاز تھے ۔آواز میں رس ،رچاؤ ،بلندی ،کراراپن ،طاقت اور دم.....یہی ان کی طرزِ ادا اور ان کا ''نغم'' تھا ۔ان کے معاصرین کا کہنا تھا کہ یہ خاص قاری عبدالمالک صاحب رحمتہ اللہ علیہ کا رنگ تھا ۔نانا ابا (امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری علیہ الرحمتہ) کو میں نے سنا نہیں ۔لیکن اتنا تو معلوم ہی ہے کہ ان کے استاد شیخ عمر عاصم رحمتہ اللہ علیہ عرب تھے ۔خود قاری عبدالمالک صاحبؒ جو بلاشبہ اپنے عہد کے امام القراء تھے فن کی یہ سوغات لینے لکھنؤ سے مدرسہ صدیقیہ مکہ مکرمہ پہنچے اور فائز المرام لوٹے ۔ان کے بھائی حضرت قاری عبدالخالق صاحبؒ بھی ہمراہ تھے ۔ادھر حضرت قاری رحیم بخش پانی پتی رحمتہ اللہ علیہ سے بھی تینوں ماموؤں کو (سیدنا الامام ابوذر بخاری رحمتہ اللہ علیہ کو چھوڑ کر) خیر المدارس میں شرفِ تلمذ ملا ۔یہ ایک دوسرا سلسلۃ الذہب تھا ۔جس کی طرز ادا قاری محی الاسلام عثمانی رحمتہ اللہ علیہ اور قاری فتح محمد پانی پتی (مہاجر مکی) رحمتہ اللہ علیہ سے ہوتی ہوئی حضرت قاری رحیم بخش صاحب رحمہ اللہ تک پہنچی تھی ۔

میں نے سوچا تھا کہ شیخ علی جابر رحمہ اللہ کی وفات پر ایک شذرہ لکھ کر ''نقیبِ ختم نبوت'' کے لیے بھجوادوں ۔لیکن یہ تحریر پھیلتی چلی گئی ۔اس کا مزید پھیلاؤ روکنے کی تدبیر نہ کی تو ڈر ہے کہ یہ ایک سروپا قسم کا ''مقالہ'' بن جائے گا ۔جبکہ ایسے مقالے لکھنے کے لیے پی ایچ ڈی یا ایم فل وغیرہ کا عنوان آج کل ضروری سمجھا جاتا ہے ۔باتیں تو بہت سی ہیں لیکن اس تحریر کو چند سطروں میں سمیٹتا ہوں ۔

شیخ علی جابر مرحوم کا پڑھنا سید عطاء المحسن بخاری رحمہ اللہ کو پسند تھا ۔انہیں شاید علم نہ ہو سکا کہ شیخ انہی کے سلسلے میں نسبت تلمذ رکھتے تھے ۔یہ بات یہاں آکر معلوم ہوئی کہ مدینہ طیبہ میں مقیم قاری محمد خلیل صاحب حفظہ اللہ (جو اب سعودی ہیں) شیخ علی جابر کے استاد ہیں ۔جبکہ قاری صاحب قاری محمد شریف صاحب رحمہ اللہ کے شاگرد ہیں ۔اور وہ شاگرد تھے قاری عبدالمالک کے ۔

علی جابر ۵۳ سال کی عمر میں ۱۴ر دسمبر (۲۰۰۵ء) کو چل بسے ۔وہ مدینہ یونیورسٹی اور جدہ کی ملک عبدالعزیز یونیورسٹی میں استاد رہے ۔شاہ خالد مرحوم کے امام خاص رہے ۔اب ایک طویل عرصے سے بیمار تھے ۔آخر یہ بیماری دائمی صحت اور جاودانی زندگی کے نئے سفر میں مرحوم کا ساتھ چھوڑ گئی ۔سفر زیست کی کہانی کا ایک باب مکمل ہوا اور نیا باب نئے ورق سے شروع ہو گیا ۔ایک چھوٹا سا ورق اُدھر پاکستان میں میرے ''گورستانِ کتب'' میں بھی ضرور کہیں دبا ہوا پڑا ہے جس پر شیخ علی جابر کے دستخط ثبت ہیں ۔بس ایک یاد ۔آٹو گراف کا بس ایک صفحہ ۔اور کچھ بھی نہیں ۔

شورش کاشمیریؒ

چودھری افضل حقؒ، سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ
اور مجلس احرار اسلام

میں نے اپنے سیاسی سفر کے لیے احرار کو منتخب کیا۔ میرے نہاں خانۂ خیال میں اُن کے اعمال و افکار کی سچائیوں کے بہت سے نقوش مرتسم ہو رہے تھے اور میں نے احرار میں شمول کا قطعی فیصلہ کر لیا۔

۲۷ر فروری ۱۹۳۹ء پہلا دن تھا کہ میں نے احرار میں شمول کا اعلان کیا۔ احرار رضا کاروں نے سنٹرل جیل (لاہور) سے رہائی پر جلوس نکالا، اگلے روز جلسہ کیا، مجھے سپاس نامہ پیش کیا۔ میں نے اپنے خیالات کے تغیر اور دورِ ماضی کے تجربات پر ایک نپی تلی تقریر کی۔ میں احرار کے ساتھ ہوں اور احرار ہی ایک ایسی جماعت ہے، جس کا سیاسی فکر اور سیاسی سفر میرے مذاق سے ہم آہنگ ہے۔(۱)

احرار میں شمول کے بعد عرصہ تک میں نے اوپرا پن محسوس کیا، دو وجہیں تھیں۔ ایک وجہ یہ تھی کہ ہر نئی فضا میں انسان کچھ دنوں اجنبی رہتا ہے، دوسری وجہ بعض احرار رہنماؤں کا روکھا پن تھا۔ میں احرار میں اس لیے شامل ہوا تھا کہ میرا ذہن غیر ملکی استبداد کے سخت خلاف تھا لیکن طبیعت میں اسلام بھی تھا۔ ان دونوں کا آمیختہ احرار تھے۔ اور اس وقت پاکستان کے موجودہ علاقوں میں اس خُو بُو کی اور کوئی جماعت نہ تھی۔ ناممکن تھا کہ میں ''اتحادِ ملت'' (۲) میں پلٹ کر جاتا۔ مسلم لیگ امراء کا تکیہ تھا..... ہفتوں سوچتا رہا۔ طبیعت میں شعر و انشاء کا ذوق تھا، چاہا قرطاس و قلم کی طرف لوٹ جاؤں، نو مشق تھا تاہم یقین تھا کہ محنت ضرور پھل لاتی ہے۔ تاجور (نجیب آبادی)، احسان (دانش)، اختر شیرانی میری طبیعت کے میلان سے بہت خوش تھے۔ ان کا خیال تھا کہ میرے اندر ایک بڑا شاعر اور ایک بڑا ادیب بننے کی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اللہ نے مجھے یہ جوہر عطا کیا ہے۔ اُس کا ہو جاؤں تو قدرت میرے لیے سروسامان پیدا کر دے گی لیکن زبان کو سیاسی چسکا پڑ چکا اور منہ کو اس کا خون لگ چکا تھا۔ دو تین ہفتہ ذہنی بحران میں رہا۔ چودھری افضل حق واحد شخص تھے۔ جن کا دل میرے معاملہ میں آئینہ تھا۔ وہ بہر حال چاہتے تھے کہ ابھروں، انہیں مسلمانوں میں سیاسی نوجوانوں کے خلا کا شدید احساس تھا۔ وہ میری سیاسی نشو و نما چاہتے تھے، انہیں اپنے رفیقوں کے محسوسات کا بھی اندازہ تھا لیکن اس کے باوجود میری دلجوئی کرنے اور میرے اس احساس کو دور کرنے کی فکر میں تھے کہ میں کسی شاخ سے ٹوٹ کر ایک ایسی روش پر آ گیا ہوں جہاں مرجھانے کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں ہے۔

---

(۱) ''بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل''۔ صفحہ ۱۸۶

(۲) مولانا ظفر علی خان کی جماعت جو مجلس احرار کے مقابل تحریک مسجد شہید گنج ۱۹۳۵ء میں بنی اور تحریک ختم ہوتے ہی دم توڑ گئی۔ شورش کاشمیریؒ احرار میں شمولیت سے قبل اتحاد ملت میں تھے۔ (مدیر)

غالباً تیسرے ہفتے لاہور میں ضلعی احرار کانفرنس ہوئی۔تقریباً تمام احرار رہنماؤں سے تعارف ہوا لیکن میں اپنے اس احساس پر قابو نہ پا سکا کہ بعض رہنماؤں کے چہرے ناخوش تھے۔

چودھری افضل حق کانفرنس کے صدر تھے۔میں نے اپنی تقریر میں شہید گنج کے مختلف المعنی اوراق پر تبصرہ کیا ۔سید عطاء اللہ شاہ بخاری بھی اس اجلاس میں موجود تھے۔میں نے ان مصافحہ کرنا چاہا، ہاتھ بڑھایا تو سرد مہر پایا۔

شب کے اجلاس میں شاہ جی کی تقریر ہوئی۔میرا نام تو نہیں تھا لیکن میں ہی موردِ تنقید رہا۔شکوہ انہیں یہ تھا کہ احرار پر عوام نے جو قہر وغضب توڑا ہے' اس کا مسئول میں بھی ہوں ۔یہ شکوہ کسی حد تک بجا تھا اور غالباً ان کی برہمی کا باعث دو چیزیں تھیں ۔پہلی چیز تو احرار کا وہ عنصر تھا جو میرے شمول سے ناخوش تھا۔دوسری چیز میری تقریر کا ایک فقرہ کہ حالات کی بوقلمونی کے باوجود میری پختہ رائے یہی ہے کہ احرار نے شہید گنج کی تحریک میں حصہ نہ لے کر غلطی کی ہے۔چودھری افضل حق شاہ جی کی تقریر شروع ہونے سے پہلے اٹھ کر چلے گئے ۔ایک وہی تھے جو انہیں ٹوک سکتے تھے۔باقی لوگ سبحان اللہ یا جزاک اللہ تھے ۔میرے دوجگری دوست مسعود اختر اور چونی لال کاوش بھی جلسہ میں موجود تھے ۔انہیں شاہ جی کے الفاظ سے رنج پہنچا، مجھے اشارہ کیا اور ہم تینوں کانفرنس سے اٹھ کر گھر چلے گئے ۔مولانا مظہر علی اظہر کو بھی گھر جانا تھا۔ہمارے ساتھ ہی پنڈال سے نکلے تو کاوش نے ان سے گلہ کیا:

''خوب ہے مولانا! اچھی درگت بنوائی ہے!''

تیر اپنے ترکش سے نکل چکا تھا اور وہ الفاظ واپس نہیں آسکتے تھے ۔صبح کوئی دس بجے مظہر علی اظہر آ گئے ۔فرمایا: چودھری صاحب یاد کرتے ہیں ۔میں نے عذر کیا کہ جو ہونا تھا ہو چکا' اب کیا رہ گیا ہے؟ واپس چلے گئے ۔تھوڑی دیر بعد چودھری برکت علی آ گئے ۔

''چودھری صاحب یاد کرتے ہیں!''

''کوئی کسر باقی رہ گئی ہے؟''

چودھری صاحب کو ملال ہے اور وہ خود پریشان ہیں ۔شاہ جی کو سخت ڈانٹا ہے ۔چودھری صاحب کو ان کی اہلیہ محترمہ نے رات دو بجے جگا کر سارا قصہ سنایا۔تو وہ پریشان ہو گئے ۔شاہ جی ڈاکٹر عبدالقوی لقمان کے ہاں ٹھہرے ہوئے تھے ۔چودھری صاحب صبح کی نماز پڑھ کر سیدھے ڈاکٹر عبدالقوی کے ہاں گئے ۔معلوم ہوا کہ شاہ جی نماز فجر کے فوراً بعد ریلوے اسٹیشن چلے گئے ہیں اور انہیں ابھی صبح کی گاڑی سے جہلم جانا ہے ۔چودھری صاحب بھاگم بھاگ ریلوے اسٹیشن پہنچے ۔شاہ جی کی اپنی روایت تھی کہ اُس وقت چودھری صاحب کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا۔میں تاڑ گیا کہ رات کی بات سے انہیں دکھ ہوا ہے۔میں نے ہاتھ باندھ دیئے:

''مہاتما جی'' (وہ پیار سے چودھری صاحب کو یہی کہا کرتے تھے) میں نے خود محسوس کیا ہے کہ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔معافی چاہتا ہوں ۔میری طرف سے ابھی جا کر شورش سے معافی مانگ لو۔کل سہ پہر واپس آ کر میں خود اس سے معافی مانگ لوں گا۔چودھری صاحب غصہ میں تپے ہوئے جو کہہ سکتے تھے' کہہ گئے ۔شاہ جی نے کہا:

''افسوس ہے.....میں جذبات پر قابو نہ پا سکا۔حضرت امیر حمزہؓ کے قاتل وحشیؓ کا ذکر کرتے ہوئے وہی نقشہ ذہن میں تازہ ہوگیا۔حضور ﷺ نے فرمایا تھا:''وحشی!تم آتے ہو تو چچا کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔مجھے مجلس احرار کی بربادی یاد آگئی۔''

چودھری صاحب نے غصہ میں کہا۔اُس نے تمہارا کونسا چچا مارا ہے؟

شاہ جی کے لیے پیچھا چھڑانا مشکل ہوگیا۔چودھری صاحب ریلوے اسٹیشن سے سیدھے میرے مکان پر آئے میں گھر میں نہیں تھا'لوٹ گئے۔احباب کو بھیجا'میں نے ٹال دیا۔مولانا مظہر علی اور چودھری برکت علی پہلے ہی ٹکا سا جواب پا کر چلے گئے تھے۔اگلے دن چودھری صاحب علی الصبح تشریف لائے تو ان سے معذرت کرنا مشکل ہوگیا۔اپنے ساتھ دفتر احرار میں لے گئے۔شاہ جی کی معذرت کا ذکر کیا۔خود معذرت کرتے رہے لیکن میرا دل اندر سے ہل گیا تھا۔اپنی بے عزتی کا مجھے شدید احساس تھا۔میں ٹال مٹول کرتا رہا۔اتنے میں شپ سے شاہ جی آگئے۔میں چائے پی رہا تھا۔پیالی ہاتھ سے چھین لی۔

''لو بھائی!تمہاری جھوٹی چائے پی کر معافی مانگتا ہوں۔یہ ہیں میری داڑھی کے سفید بال۔ان کا واسطہ ہے مجھے معاف کردو۔''

.....اب میرا حال یہ تھا کہ:

مجھے جینے نہیں دیتی نگاہِ شرمسار اس کی

اتنا بڑا انسان،ملک کا سب سے بڑا خطیب،خسروانہ انداز رکھنے والا درویش،شہنشاہوں سے بے نیاز،قرنِ اوّل کے مجاہدوں کی ہو بہو تصویر،فقر واستغناء کا مجسمہ'ایک ذرۂ ناچیز سے معذرت کر رہا تھا:

اس پشیمانی کے صدقے میں پشیماں ہوگیا

شاہ جی فوراً ہی بے تکلف ہوگئے:

''کیوں میاں!اب تو دل میں کوئی کدورت نہیں؟''

''جی نہیں!آپ ایک ذرہ کو آفتاب بنا رہے ہیں!''

میرا دل واقعی صاف ہوگیا۔اس میں بال برابر غبار نہ رہا۔میں نے شاہ جی سے ایک بات کہی اور وہ سرد آہ بھر کر گہری سوچ میں ڈوب گئے:

''میں آپ کے اس قافلے میں نووارد ہوں۔میں نے اس سے پہلے جو کچھ دیکھا ہے'اُس نے میری عقیدتوں کے تاج محل گرا دیئے ہیں۔یہی فضا یہاں ملی تو میری برگشتگی قدرتی ہوگی۔میں کسی حال میں بھی بدقماش قیادت اور بدشعار سیادت کی ہم نوائی نہیں کرسکتا۔یہ میری فطرت کے خلاف ہے۔''

یعسوب نے بات پلٹتے ہی شاہ جی سے کہا:

''قبلہ!پان پت تو اس کی عام جلسہ میں اتاری گئی ہے لیکن معذرت تخلیہ میں فرما رہے ہیں

اس سے کوئی فائدہ نہیں؟ اور نہ یہ بات جچتی ہے۔''

شاہ جی نے کہا: ''بہت اچھا' کل کے لیے جلسۂ عام کا اعلان کر دو۔ لاہور ہمیشہ ان کی سحر بیانی کا منتظر رہتا۔ رضا کاروں نے ڈونڈی پیٹی۔ ہزار ہا لوگوں کا مجمع ہو گیا...... شاہ جی نے خطبۂ مسنونہ پڑھا۔ میں پاس ہی بیٹھا تھا۔ میرے سر پر ہاتھ رکھا اور فرمایا:

''اُس روز میرے منہ سے غصہ میں برہمی کے کلمات نکل گئے تھے۔ میں اس بھرے مجمع میں آپ سب کے سامنے آغا جی سے معافی مانگتا ہوں۔''

تمام مجمع حیران رہ گیا' کہاں شاہ جی، کہاں شورش کاشمیری! لیکن چودھری افضل حق نے انہیں سر کیا اور وہ رام ہو گئے۔ حقیقتاً احرار ان دو شخصیتوں ہی کے سحر و تاثر کا نام تھا۔ چودھری افضل حق نے یہ قافلہ مرتب کیا۔ شاہ جی اس قافلے کے حدی خوان تھے۔ ان دونوں کی سیرت نے مجھے احرار میں سمو لیا اور میں اس لڑی میں پرو یا گیا۔

اس سے پہلے جن تصویروں سے میرے تصور کو ٹھوکریں لگی تھیں' ان کی شخصیتوں سے وہ زخم مندمل ہو گئے۔ چودھری افضل حق قرنِ اوّل کے اُن صحابہ کی یادگار تھے جن سے فہم و فکر اور فقر و استغناء کی راہیں روشن ہوئیں اور جو اسلام کے تاریخی تذکروں میں فخر و مباہات کی مسندوں پر فائز ہیں۔

اور شاہ جی ان صحابہ کا پرتو تھے جن کی تربیت کعبہ کی چھت پر ہوئی تھی۔ صدیاں بھی ان سے بڑا خطیب پیدا نہیں کر سکتیں۔ ان کے گرد و پیش رہ کر میرا یہ کانٹا نکل گیا کہ رہنما شخصیتیں سراب ہوتی ہیں۔ افضل حق اور عطاء اللہ شاہ' دونوں قدرت کا عطیہ تھے۔ پنجابی مسلمانوں نے ان سے کیا فائدہ اٹھایا۔ یہی کہ سومنات ان کی اذانوں سے محروم رہا۔ پتھروں میں بیج بویا، پانی دیا لیکن بیج رہ گیا، پانی بہہ گیا، آبلہ پا کانٹوں کی سیرابی کا تماشا دیکھ کر رخصت ہو گئے۔ (۱)

چودھری افضل حق کا انتقال:

حافظہ کی بات ہے، وقت کا تعین مشکل ہے۔ منٹگمری جیل ہی میں اطلاع ملی کہ چودھری افضل حق کا انتقال ہو گیا ہے۔ (۲) چودھری صاحب احرار کا شہ دماغ تھے۔ ان کا سیاسی حلقوں میں احترام بھی تھا اور خوف بھی' وہ ایک صحیح العقیدہ مسلمان تھے۔ نگاہ بڑی دور رس تھی۔ اس خیال پر بڑی پختگی سے قائم تھے کہ اسلام کو جو ضعف پہنچا ہے۔ اس کی ایک وجہ تو مذہب کی حقیقی روح سے مسلمانوں کی برگشتگی ہے۔ دوسری وجہ سرمایہ داری کا وجود ہے جس سے نہ صرف اسلام کی نشو و نما رک گئی ہے بلکہ عجمیوں کی سازش سے سرمایہ داری ہی اصل دین ہو گئی ہے۔ ان کا عقیدہ تھا کہ جاگیرداری اور سرمایہ داری نے مسلمانوں کو ایک زبوں حال قوم بنا دیا ہے۔ وہ ایک ہی تقسیم کے قائل تھے اور وہ دولت کی منصفانہ تقسیم! سر فضل حسین نے چودھری صاحب کو شیشہ میں اتارنے کی بڑی کوشش کی برادری کا واسطہ دیا۔ مگر چودھری صاحب مختلف دل و دماغ لے کر پیدا ہوئے تھے۔ وہ ذاتی ایثار اور شخصی عظمت کے لحاظ سے قرن اوّل کے صحابہ کی نظیر تھے۔ سر سکندر حیات انہیں اپنے لیے خطرہ سمجھتے رہے۔

---

(۱) ''بوئے گل نالہ دل دودِ چراغِ محفل''۔ شورش کاشمیریؒ (۲) انتقال: ۸ر جنوری ۱۹۴۲ء

حکومت کی منشا بھی یہی تھی کہ احرار ختم ہوں۔انگریزوں نے جن گروہوں کو مٹانا چاہا۔احرار اُن میں سرفہرست تھے۔کچھ ہی کہہ لیجیے پنجاب میں احرار سے بڑھ کر کوئی گروہ انگریزی استعمار کا دشمن نہیں رہا اور چودھری افضل حق تو بری طرح سامراج کے جان لیوا تھے۔ان کی صاف گوئی کا یہ حال تھا کہ کانگریس اور لیگ دونوں کے منہ پر کھری کھری کہتے۔انہوں نے اپنے آخری خطبہ میں دونوں جماعتوں کے سرمایہ داروں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا تھا:

''لیگ کا سرمایہ دار ایک مفلوج طاقت ہے۔اس نے جو طاقت اڑائی ہے۔وہ مسلمان عوام کی طاقت ہے اور مسلمان عوام کو ہندوؤں کی معاشی ناانصافی اور مجلسی چھوت چھات سے بجا طور پر شکایت ہے۔یہی شکایت دو علیحدہ قوموں کا تصور پیدا کرتی ہے۔''

وہ کانگریس کے سرمایہ دار کو مقابلتاً زیادہ خطرناک سمجھتے تھے۔ان کا خیال تھا کہ ہندو سرمایہ دار چونکہ ایثار کرتا اور قربانی دیتا ہے۔اس لیے ملک کی حیات سیاسی کے لیے زیادہ مہلک ومضر ہے۔اس سرمایہ داری ہی نے ملک کی انقلابی طاقتوں کا راستہ روک رکھا ہے۔

.....یونینسٹ وزارت برطانیہ کی سیاسی داشتہ تھی۔اُس نے احرار کو کچل ڈالا۔چودھری صاحب جیل ہی میں موت کے دروازہ تک پہنچ گئے۔دمہ الٹا آخری وقت آ پہنچا تو رہا کر دیئے گئے۔آخر صحت ہی کی تلاش میں جان ہار ہو گئے۔(۱)

جولائی ۱۹۳۵ء میں قید ہو کر آخر میں رہا ہوا، ۱۹۳۶ء میں دوبارہ پکڑا گیا، مہینوں اندر رہا، ۱۹۳۷ء کے شروع میں یہی معاملہ پیش آیا۔بقرعید کے دن پکڑا گیا اور ۱۹۳۸ء کا پورا سال اندر گزرا، فروری ۱۹۳۹ء میں رہا ہوا، ستمبر ۱۹۳۹ء میں سات برس کے لیے قید ہو گیا، اواخر ۱۹۴۴ء میں رہا ہوا، ۱۹۳۵ء سے ۱۹۴۴ء تک چھے سات ماہ ہوں گے جو جیل سے باہر گزارے۔ہوتا یہ رہا کہ اِدھر رہا' اُدھر قید ہو گیا۔ایک آدھ عید کے سوا دس سال کی پوری عیدیں اندر ہی گزاریں، اُس دن آدھی رات تک میں دوستوں سے ملتا ملاتا رہا۔سب سے پہلے چودھری افضل حق کے مزار پر گیا' آنسو آ گئے۔(۲)

---

(۱) ''پس دیوارِ زنداں''۔صفحہ ۲۴۹، ۲۵۰ (۲) ''بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل''۔صفحہ ۲۲۸

شورش کاشمیریؒ

مولانا محمد اسحاق مانسہروی علیہ الرحمتہ

ایک زمانے میں محمد اسحاق مانسہروی کا طوطی بولتا تھا۔ وہ پنجاب کے خلافتی رہنماؤں میں سرفہرست تھے۔ تحریکِ خلافت میں نکلے، حکومت نے انہیں گرفتار کیا تو مانسہرہ کا سارا علاقہ گورہ فوج نے گھیر لیا۔ جیل خانہ میں ایسی اذیتیں دی گئیں کہ اُن کی ہڈیاں توڑ دی گئیں......امیر المجاہدین کے لقب سے معروف ہوگئے۔

غالباً ۱۹۲۲ء کے بعد سیاسیات سے سبکدوش ہوگئے، ان کے معتقدوں نے راولپنڈی میں مسجد انگور بنوادی، اسی میں رہتے اور امامت کرتے۔ عمر بھر شادی نہیں کی، بڑی عمر پائی۔ غالباً نوے سال کے لگ بھگ۔ چونکہ تمام زندگی تجرد میں بسر کی۔ اس لیے اس سن میں بھی کشیدہ قامت، بظاہر سرخ وسفید چہرہ جوں کا توں لیکن جوانی کا رنگ وروغن بڑھاپے کے ہتھے چڑھ گیا۔ بالا بلند، آنکھیں متحرک، لہجے میں کڑک، گھڑسواری سے دلچسپی، خوبصورت گھوڑے گھوڑیاں پالنے اور پھل والے پودے لگانے کا بہت شوق تھا، اولاد کی طرح ان کی پرورش کرتے، انتہائی سادہ، غصیل اور غیرت مند، سیاسی سوجھ بوجھ کچھ زیادہ نہ تھی لیکن جذبہ اور جرأت کے دھنی تھے، ان کا ایک لطیفہ مشہور ہے۔

''فجر نماز پڑھا رہے تھے، پہلے رکوع میں سورۂ فاتحہ کے بعد دوسری سورۃ بھول گئے، ڈیڑھ دومنٹ کھڑے رہے، خدا جانے کیا تعطل پیدا ہوگیا کوئی سورت ذہن میں نہ آرہی تھی......معاً ایک (پنجابی) دوہا ذہن میں آگیا......قرأت کی اور پڑھ دیا:

......دیوے وچ تیل نہیں اوں
وَسناں ایں کتھے ماہیا
ملنے دی وہل نہیں اوں
اللہ اکبر

(ترجمہ: چراغ میں تیل نہیں، میرے محبوب تو کہاں ہے؟ کیا ملنے کی فرصت نہیں......اللہ اکبر)

خود فرمایا کہ مقتدیوں میں دن بھر یہی چرچا رہا کہ حضرت نے آج اللہ تعالیٰ سے براہِ راست گفتگو کی ہے۔

(''بوئے گل نالۂ دل دودِ چراغِ محفل''، صفحہ ۲۰۳/''قلمی چہرے''، صفحہ ۲۴۳)

مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (لندن)

(پہلی قسط)

''سرِ اقبال'' بنام ''حسین احمد''

ماضی کی ایک کہانی کا معمہ (ڈاکٹر جاوید اقبال کی کتاب کی روشنی میں)

کتابیں لکھے اور چھاپے جانے کی موجودہ گرم بازاری میں اگر کوئی واقعی ''کتاب'' ہاتھ آجائے تو کچھ زیادہ ہی اچھی معلوم ہونا قدرتی بات ہے۔علامہ اقبال کے سوانح حیات میں علامہ کے فرزندِ ارجمند جسٹس (ر) ڈاکٹر جاوید اقبال صاحب کے قلم سے نکلی ہوئی ''زندہ رُود'' ایک ایسی ہی کتاب کہی جانے کی مستحق ہے۔کتاب گوتازہ بتازہ نہیں، مگر راقم سطور کے حصہ میں وہ گذشتہ دنوں ہی آئی، تین جلدوں میں ہونے کے باوجود دلچسپی کو آخر تک قائم رکھنے والی۔

برصغیر کے پڑھے لکھے لوگوں میں کم ہی ہونگے جنہیں علامہ کی شاعری سے دلچسپی نہ رہی ہو۔تھوڑی بہت راقم سطور کے حصہ میں بھی آئی۔اور ظاہر ہے کہ یہ کچھ سمجھ لینے کی ہی بنا پر ہوسکتا تھا۔مگر ''زندہ رود'' پڑھ لینے کے بعد جب کسی ضرورت سے کلیاتِ اقبال کھولی تو اندازہ ہوا کہ اب بہت سے اشعار کی وہ تہیں کھل کر سامنے آئیں گی جو شاعر کی زندگی اور شخصیت سے واقفیت ہی کے نتیجہ میں کھل سکتی ہیں۔خاص کر اُن کی شاعری کا جو ایک اہم موضوع ان کی اپنی ذات ہے اس سلسلہ کے اشعار کے بارے میں تو یہ کتاب بہت صاف صاف بتائے دیتی ہے کہ اپنی کسی کمزوری کی طرف علامہ نے اشارہ کیا ہے تو اس میں کس حد تک حقیقت ہے اور کس حد تک شاعری۔اور کہیں جو کوئی خوبی جتائی ہے تو اس کی واقعی حقیقت کیا ہے۔اسی طرح اگر علامہ کے کلام میں کہیں ایسے اشعار کسی کو نظر آتے ہیں جو ان کی شاعری کے عمومی مزاج سے جوڑ نہ کھاتے ہوں ایسے اشعار کا مسئلہ حل کرنے میں بھی یہ کتاب مددگار ہونی چاہیے۔ایسے اشعار کی ایک بہت نمایاں مثال ''حسین احمد'' کے عنوان سے کلیات کی تقریباً آخری نظم ہے، جو علامہ کی وفات سے کوئی دو ماہ قبل (فروری ۱۹۳۸ء میں) کہی گئی اور اس کی تلخی سے ملّی فضا کچھ ایسی مکدّر ہوئی کہ آج تک صاف نہ ہو پائی۔ان اشعار کا کوئی جوڑ علامہ کی شاعری کے عمومی مزاج اور ایک صاحبِ علم وفضل کی حیثیت سے ان کے مسلّمہ مقام ومرتبہ کے ساتھ کبھی سمجھ میں نہ آسکا تھا۔اس کتاب کے ذریعہ پہلی بار ہوا ہے کہ یہ ''عقدۂ مشکل'' حل ہوتا نظر آیا۔اس تحریر کا اصل مقصد اسی یافت کا اظہار وبیان ہے۔

علامہ کے یہ اشعار ہمارے مخدوم ومحترم استاذِ حدیث حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی علیہ الرحمہ (م ۱۹۵۷ء) کے اس نظریہ کی تردید میں سپردِ قلم ہوئے تھے کہ ہندوستان کے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان وطنی رشتۂ اتحاد کی بنا پر سیاسی نوعیت کی متحدہ قومیت کا رشتہ نہ صرف قائم ہوسکتا ہے بلکہ ملک میں تحریکِ آزادی کی کامیابی کے لئے ضروری ہے کہ یہ رشتہ قائم ہو۔وہ موقع جس پر یہ اشعار سرزد ہوئے اس نظریے کے سلسلہ میں حضرت مولیٰنا کے کسی تفصیلی اظہار وبیان کا نہ تھا، بس ایک تقریر کی اخباری رپورٹ تھی جو علامہ کیلئے اس طرح کے سخت ترین الفاظ میں ردِعمل کو کافی ہوگئی کہ:

عجم ہنوز نہ داند رموزِ دیں ورنہ — زِ دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبیست
سرود بر سرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر زِ مقامِ محمدِ عربیست
بہ مصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست — اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبیست

تین شعروں کے الفاظ میں جتنی سخت باتیں سما سکتی تھیں اس کے لحاظ سے کوئی کسر یہاں نہیں رہ گئی ہے۔ تقریر اگر چہ دہلی کے ایک سیاسی جلسہ میں تھی مگر اسے ''برسرِ منبر'' ٹھیرایا گیا ہے اور وعظ یا تقریر نہیں ''سرود'' (بہ معنیٰ راگ) کا نام اسے دیا گیا ہے۔ پھر حیرت کا اظہار کیا گیا ہے کہ تعلق دیو بند جیسے دینی مرکز سے مسند نشینی کا ہے مگر مرکزِ دین حضرت محمدِ عربی ﷺ کے مقام سے واقفیت کی گویا ہوا بھی نہیں لگی۔ اور پھر آخر میں نصیحت ہے کہ دین تو تمام تر حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو پہچاننے کا نام ہے، تم اگر ان کی ذاتِ گرامی تک نہیں پہنچ پاتے تو پھر تمہارے حصے میں جو چیز رہی جاتی ہے وہ ''ابولہبیت'' (یعنی معاذ اللہ، مصطفیٰ دشمنی) ہے۔

علامہ کے کلام میں یہ حقیقت یقیناً بے نقاب ہے کہ وہ یورپ کے پیدا کردہ وطنی قومیت کے سیاسی تخیل کو انسانیت کے لئے ایک لعنت اور خاص دین و مذہب کے حق میں تو ''کفن'' کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ ''زندہ رود'' میں آپ کے اس فکر کی پوری تفصیلات سامنے آجاتی ہیں۔ اس لئے یہ تو سمجھ میں آنے والی بات تھی کہ علامہ جس چیز کو مذہب کا کفن جان رہے ہیں اس کی دعوت کسی قابل لحاظ اسلامی شخصیت کی طرف سے آئے تو وہ اس کی تردید میں ''ضبطِ سخن'' نہ کر سکیں۔ لیکن یہ فرض کرتے ہوئے بھی کہ حضرت مولانا مدنیؒ کا جو کہنا تھا وہ وہی تھا جس کی حضرت علامہ کے فکر اور فہم اسلام میں گنجائش نہ تھی، تب بھی اس آخری درجہ کے جارحانہ انداز تردید کی توقع، جس سے اُن کے اظہارِ مدّعا سے زیادہ فریقِ ثانی کی معلوم و معروف حیثیتِ عرفی کو خاطر میں نہ لانے کا اظہار ہوتا ہے، ان کے جیسے مرتبہ کی شخصیت سے نہیں کی جا سکتی تھی۔ اشعار میں ''دیو بند'' کا حوالہ دلیل ہے کہ علامہ پر ''حسین احمد'' کی نہایت قابلِ لحاظ حیثیت عرفی مخفی نہ تھی۔ بلکہ یہی چیز گویا باعث ہوئی کہ وہ ان کی مبینہ تقریر پر نکتہ چیں ہوں۔ پھر آخر کیونکر یہ ممکن ہوا کہ اس تقریر کا حوالہ ''سرود بر سر منبر'' کے توہین آمیز الفاظ میں آئے؟ اور اس سے بھی بڑھ کر ''چہ بے خبر زِ مقام محمدِ عربیست'' فرماتے ہوئے علامہ یہ بھی نہ سوچیں کہ یہ وہ کس کے بارے میں فرما رہے ہیں؟ اور پھر کسے ''بہ مصطفیٰ برساں خویش'' کا سبق دے رہے ہیں، وہ کہ جس نے مدتیں درِ مصطفیٰ پہ فقیرانہ گزاری ہیں، اور جس کا دیو بند میں شغل ہی درسِ حدیثِ مصطفیٰ ہے؟

کیا یہ کہا جائے کہ عشقِ مصطفیٰ ﷺ کی جو دولت علامہ کو نصیب سے مل گئی تھی اس کے حوالے سے وہ خود بھی معاذ اللہ اُسی خامی کا شکار ہوئے جس کا گلہ واعظِ زاہد کے بارے میں کرتے ہوئے فرما گئے ہیں:

غرورِ زہد نے سکھلا دیا ہے واعظ کو
کہ بند گانِ خدا پر زباں دراز کرے

یہ علامہ کی شدتِ بے پناہ کے مقابلے میں محض ایک ہلکے سے شکوے کا پیرایہ ہوگا، مگر ایسا کہنا وہی پسند کرے گا جسے اندازہ نہیں یا وہ بھول گیا ہے کہ علامہ کے عشقِ مصطفیٰ سے قدرت نے کیا کام اُن کی شاعری کے حق میں لیا ہے۔ اور اس سے بھی بڑھ کر خود حضرت مولانا علیہ الرّحمۃ نے علامہ کی اس سراپا آتش تنقید کے جواب میں جس پاس و لحاظ سے کام لیا ہے، اس کے ہوتے ہوئے آپ کے ایک کفش بردار کو کہاں زیبا کہ وہ کوئی الگ راہ چلے! علامہ کی اُٹھائی ہوئی اس بحث کے سلسلہ میں ''متحدہ قومیت اور اسلام'' کے عنوان سے جو ایک مقالہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس موقع پر تحریر فرمایا وہ مکمل ہونے نہ پایا تھا کہ علامہ نے وفات پائی۔ اس ناگہانی خبر کے حوالہ سے اس مقالہ کی تمہید میں رقم طراز ہوئے ہیں:

''......جب کہ میں قومیت کی لفظی بحث کے اختتام پر پہنچ کر مقصدِ اصلی سے نقاب اُٹھانا چاہتا تھا ناگاہ جناب ڈاکٹر صاحب مرحوم ومغفور کے وصال کی خبر شائع ہوئی۔اس ناسزا ودلگداز خبر نے خیالات وعزائم افکار پر صاعقہ کا کام کیا۔طبیعت بالکل بجھ گئی اور عزائم فسخ ہوگئے۔''

پھر آئندہ صفحہ پر یہ کہنے کے لئے کہ ڈاکٹر اقبال صاحب اگر چہ مجھ سے اس درجہ فائق وبرتر تھے کہ میں گویا ان کے سامنے طفلِ ابجد خواں، مگر ہندوستانی سیاست کے مسئلے میں ساحرانِ فرنگ کے سحر کا شکار ہوگئے تھے، اور ہوتا ہے کہ بعض دفعہ بڑے غلطی کر جاتے جبکہ چھوٹے محفوظ رہتے ہیں' فرمایا کہ:

''یہ امر یقینی اور غیر قابل انکار ہے کہ جناب ڈاکٹر صاحب کی ہستی کوئی معمولی ہستی نہ تھی اور انکے کمالات بھی غیر معمولی تھے۔وہ آسمانِ حکمت وفلسفہ،شعروسخن،تحریروتقریر،دل ودماغ اور دیگر کمالات علمیہ اور عملیہ کے درخشندہ آفتاب تھے۔مگر باوجود کمالات گوں ناگوں ساحرین برطانیہ کے سحر میں مبتلا ہوجانا یا بعض غلطیوں میں پڑجانا اور کسی ابجد خواں طالب علم کا اس سے محفوظ رہنا کوئی تعجب خیز بات نہیں:

گاہ باشد کہ کودکِ ناداں
بر ہدف برزند تیرے

(کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ ایک نادان بچے کا تیر نشانہ پر بیٹھ جائے)

اے کاش! علامہ اپنے ہدف کے اس ردّعمل کو دیکھنے کے لئے زندہ رہے ہوتے! یہ راقم نہیں سمجھتا کہ مرحوم علامہ نے یہ تحریر پڑھی ہوتی تو اس بے نفسی اور خاک ساری کے لئے اپنی زندگی کا کوئی ایسا دوسرا تجربہ وہ یاد کر پاتے۔اور یقین کیا جاسکتا ہے کہ علامہ کے ساتھ ''سر'' کا برطانوی خطاب اگر نہ لگا ہوتا تو متحدہ قومیت کی بابت آپ کی رائے میں برطانوی سحر کا دخل سمجھنے کی بات بھی ہمیں حضرت والا کی اس عبارت میں نہ ملتی۔

الغرض،اگر حضرت مولانا قومیت کا وہ نظریہ پیش کررہے ہوتے جو حضرت علامہ کے فہمِ اسلام سے سیدھا ٹکراتا تھا تب بھی اس پر ردّعمل کا یہ پیرایۂ اظہار کہ مسند نشین دیوبند کو بیک جنبشِ قلم ''بولہبی'' تک پہنچادیا جائے، یہ علامہ سے کسی قدر کم درجہ کی فہمیدہ وسنجیدہ شخصیت سے بھی بآسانی سمجھ میں آنے والی بات نہ تھی۔لیکن مولانا کی تقریر کو تو فی الواقع دور کا بھی تعلق اُس بات سے نہ تھا جو حضرت علامہ کو اس قدر ناگوار گزری۔علامہ جس وطنی قومیت کو ''مذہب کا کفن'' سمجھتے تھے مولانا بھی اُسے ایسا سمجھنے میں علامہ سے اگر آگے نہیں تو پیچھے بہر حال نہ تھے۔مگر لگتا ہے کہ معاملے کے ایک خاص پس منظر کی بنا پر علامہ کو اپنا ہی بیان کردہ یہ نکتہ فراموش ہوگیا تھا کہ:

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا
غوّاص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

وہ تحریکِ خلافت جس سے ''زندہ رود'' کے بیان کے مطابق علامہ دور اور نفور رہے اور جس میں حسین احمد کا مولانا محمد علی جوہرؒ وغیرہ کے ساتھ وہ جانبازانہ حصہ تھا جس کی تفصیل کے لیے ان لوگوں پر چلائے گئے مقدمۂ کراچی (۱۹۲۱ء) کی روداد پڑھنی چاہئے۔یہ اس اسلامی خلافت کو بچانے کے لئے ہی اٹھائی گئی تحریک تو تھی جس کا ازروئے وطن ہندوستانی

مسلمانوں سے کوئی تعلق نہ تھا۔ ہاں وہ اسلامی رشتہ ان کا اس کے ساتھ تھا جو جغرافیائی حدود و قیود سے بالاتر ہے۔ اور یہ خلافتی جدوجہد اسی متحدہ قومیت کے ساتھ تھی جس کا حوالہ مولانا مدنی کی زیر بحث تقریر میں آیا۔ کون نہیں جانتا کہ اس تحریک نے مہاتما گاندھی کو اپنی سربراہی کے لئے قبول کر لیا تھا۔ اور ایسا ہونے میں ''حسین احمد'' سے کہیں زیادہ حصہ مولانا محمد علی جوہرؒ کا تھا، جن سے برتر اسلامیت کا دعویٰ شاید علامہ اقبال کو بھی نہ ہوا ہو۔ یہی وہ ''متحدہ قومیت'' تھی جس کا حوالہ مولانا اپنی تقریر میں دے رہے تھے۔ نہ کہ وہ جو علامہ کے تصور میں تھی جس میں مسلمان' مسلمان نہیں رہ سکتا۔

حضرت حسین احمدؒ کے جاننے والے جانتے ہیں کہ آپ کی سیاسی زندگی ۱۹۱۷ء سے شروع ہوتی ہے جب کہ خلافتِ عثمانیہ کے باغی شریف حسین نے مکہ میں اُن کو ان کے محترم استاذ شیخ الہند محمود حسنؒ کے ساتھ گرفتار کر کے انگریزوں کے حوالے کیا، اور پھر انگریزوں نے ان کو اپنی حکومت کے خلاف باغیانہ عزائم کے حوالے سے جزیرہ مالٹا میں چار سال قید رکھا۔ چار سال بعد ۱۹۲۰ء کے شروع میں ان حضرات کی رہائی عمل میں آئی۔ شیخ الہند کی یہ گرفتاری بے وجہ نہ تھی۔ یہ جنگ عظیم اوّل کا زمانہ تھا کہ آپ برطانوی حکومت کے خلاف ایک مکمل باغیانہ اسکیم لے کر ہندوستان کے باہر نکلے تھے۔ حجازِ مقدس کو اولین منزل بنایا۔ اس لیے کہ وہاں حج کے زمانہ میں ان میں سے بیشتر لوگوں سے رابطہ آسان ہو سکتا تھا جن سے رابطہ ہوا بھی، مگر قسمت سے اسی زمانہ میں شریف مکہ حسین پر انگریزوں کے ڈورے کام کر گئے اور حجاز مقدس عثمانی خلافت کے اقتدار سے نکل گیا۔

مارچ ۱۹۲۰ء میں شیخ الہند رہا ہوئے تو بڑھاپے اور قید کے شدائد نے زار و نزار کر دیا تھا۔ نومبر ہی میں آپ کی شمع حیات گل ہو گئی، اور پھر برطانوی حکومت کے خلاف آپ کے مشن کی علمبرداری ''حسین احمد'' کے حصہ میں آئی۔ اسیرانِ مالٹا نے جب رہائی پائی تو اس سے پہلے خلافت تحریر شروع ہو چکی تھی۔ اور یہ صرف مسلمانوں کی نہیں تمام ہندوستانیوں کی تحریک بن گئی تھی، جس میں ہندو اکثریت کے سب سے بڑے نمائندہ مہاتما گاندھی پیش پیش تھے۔ شیخ الہند جن کا تحریکِ خلافت کی پوری مسلم قیادت نے مع گاندھی جی کے بمبئی پہنچ کر نہایت پر جوش استقبال کیا تھا، اس تحریک کے لیے سب سے بڑی اسلامی اتھارٹی کے حامل مانے گئے۔ اور آپ نے جس متحدہ تحریک اور اس کے پروگرام عدم موالات (نان کوا پریشن) پر مہر تصویب ثبت فرمائی۔ اسی پر عمل درآمد کے نتیجہ میں ''حسین احمد'' پر مولانا محمد علی جوہرؒ وغیرہ کے ساتھ بغاوت کا مشہور مقدمہ کراچی چلا۔ اور دو دو سال کی جیلیں ہوئیں۔

یہ ہے حسین احمد کے اس نظریۂ متحدہ قومیت کا پس منظر جس کا آپ کی ۱۹۳۸ء کی اس تقریر میں حوالہ ایک طوفان اُٹھا گیا۔ یعنی یہ وہی متحدہ قومیت تھی جس کے جھنڈے کے نیچے تحریکِ خلافت کے دور میں علامہ اقبال اور مسٹر محمد علی جناح جیسے خال خال افراد کو چھوڑ کر مسلم ہندوستان کی وہ تمام ہستیاں سرگرم رہی تھیں جن کی طرف ملّی مسائل کے لیے لوگوں کی نظریں اٹھتی تھیں۔ علامہ اقبال ''حسین احمد'' سے کچھ زیادہ واقف ہوں یا نہ ہوں متحدہ قومیت والی بات کے اس پس منظر سے ناواقف نہیں ہو سکتے تھے۔ تحریک خلافت سے ان کے بے تعلق رہنے کی تو ایک اہم وجہ یہی تھی۔ مگر یہ دینی حوالے سے نہیں، بلکہ مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کے حوالے سے تھی۔ ڈاکٹر جاوید اقبال لکھتے ہیں:

> ''قیام انگلستان کے دوران جب وہ (ذہنی) انقلاب سے گزرے اور انہی ایام میں برّصغیر میں مسلمانوں کے لیے جداگانہ انتخاب کا اصول تسلیم کر لیا گیا تو اقبال' سرسید احمد خان کے سیاسی مکتبۂ فکر کو درست خیال کرتے

ہوئے ذہنی و قلبی طور پر اس سے وابستہ ہو گئے۔ سرسید کے سیاسی مکتبۂ فکر کی منطق یہ تھی کہ...... جمہوریت کے ذریعہ قومیتِ متحدہ کی بنیاد تبھی رکھی جا سکتی تھی جب ہندو اور مسلمان مرکزی حکومت میں برابر کے حصہ دار ہوں۔ لیکن فرقہ وارانہ منافرت کے سبب ہندو ایسی صورت کو قبول کرنے کے لیے کبھی آمادہ نہیں ہو سکتے تھے۔ پس برصغیر میں قومیت متحدہ کا تخیل خیالِ خام تھا۔ (زندہ رود۔ جلد سوم صفحہ ۲۹۱-۹۲)

اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ انہیں اصولاً متحدہ قومیت سے انکار نہ تھا۔ نمائندگی میں برابری کی شرط کے ساتھ وہ منظور تھی۔ پس علامہ کے اس سیاسی فکر و عقیدہ کا بے شک یہ حق تھا کہ کوئی آواز اس شرط کے بغیر متحدہ قومیت کے حق میں بلند کی جا رہی ہو تو اسے چیلنج کریں۔ مگر اس کے لیے سیاسی زبان کے بجائے یہ دینیات کی زبان کا سوال کیونکر پیدا ہو گیا؟ اور وہ بھی ایک اعلیٰ درجہ کے مستند و مسلّم عالم دین کے مقابلے میں! جب کہ علامہ اسلامی دینیات پر کتنا بھی عبور اپنے مطالعہ کی بنیاد پر رکھتے ہوں مگر ان جیسے ذی فہم کے بارے میں یہ گمان نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اس عبور کو باضابطہ تحصیل کا ہمسر سمجھتے ہوں گے۔ اور اگر سمجھتے بھی ہوں تب بھی جو زعم و پندار آمیز لہجہ انہوں نے اس چیلنج میں اختیار فرمایا وہ یہ سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ ضرور اس کے پس منظر میں کچھ خاص حالات و معاملات ہونے چاہئیں۔ ورنہ یہ علامہ کے مقام سے فروتر بات تھی اور قطعاً غیر متوقع بات تھی۔ ''زندہ رود'' نے انہیں خاص حالات سے پردہ اٹھانے کا کام انجام دیا ہے۔

کم سے کم راقم سطور کے علم میں اس سے پہلے نہ تھا کہ حضرت علامہ نے برصغیر کی سیاست میں کوئی سرگرم عملی حصہ بھی لیا ہو گُل ہند مسلم لیگ کی سیاست سے ان کا عملی تعلق صرف ۱۹۳۰ء کے خطبۂ صدارت الٰہ آباد کی حد تک معلوم تھا۔ اس کتاب سے معلوم ہوا کہ ۱۹۲۶ء میں جب علامہ نے لاہور سے پنجاب صوبائی کونسل کا انتخاب لڑا تب سے مسلم لیگ سے ان کی وابستگی جو پہلے بس فکری درجہ کی تھی سرگرم عملی وابستگی میں تبدیل ہو گئی تھی۔ اور اس رشتہ کی یہ سرگرمی ٹھیٹھ سرسید مکتب فکر والی لائن پر تھی۔ چنانچہ ۱۹۲۷ء میں جب برطانوی حکومت نے سائمن کمیشن کے تقرر کا اعلان کیا جس کو ہندوستان کے لئے آئندہ دستوری اصلاحات کے بارے میں سفارشات پیش کرنا تھیں اور اس کمیشن میں تمام کے تمام انگریز تھے ایک بھی ہندوستانی کو نہیں لیا گیا تھا۔ تو اس پر کانگریس نے اس کے بائیکاٹ کا اعلان کیا۔ مسلم قائدین میں خود مسٹر جناح صدر مسلم لیگ کا یہی فیصلہ تھا۔ مگر اقبال اس کے برعکس اپنے صوبائی صدر سر محمد شفیع کے ساتھ اس کمیشن کے تعاون کے لئے اس حد تک گئے کہ مسلم لیگ، جناح لیگ اور شفیع لیگ کے دو ٹکڑوں میں بٹ گئیں۔ اور ی دونوں لیگیں پبلک سطح پر ایک دوسرے سے متصادم ہوئیں۔ چنانچہ جب مسٹر جناح نے دوسرے مسلم لیڈروں کے ساتھ مل کر ایک بیان کمیشن کے مقاطعہ کے لئے شائع کیا تو اس کے ردّعمل میں علامہ اقبال نے اپنے ہم خیالوں کے ساتھ ایک بیان دیا جس کا اختتام ان الفاظ پر ہوتا تھا:

''ہم نہایت جرأت اور زور سے کہتے ہیں کہ ہم کرایہ کے ٹٹو بننے کے لیے تیار نہیں۔ مسٹر جناح اور دیگر حضرات نے یہ فقرہ اڑا لیا ہے کہ ہماری خودداری ہمیں رائل کمیشن کی تائید کی اجازت نہیں دیتی۔ ہم اس کے برعکس یہ کہتے ہیں کہ فرقہ وارانہ جنگ اور خودداری یکجا قائم نہیں رکھی جا سکتیں......'' (صفحہ ۳۳، ۳۴)

پنجاب مسلم لیگ جس کے علامہ صاحب سیکرٹری تھے اور سر محمد شفیع صدر، اس کی اِس روش پر مولانا محمد علی نے اپنے اخبار ''ہمدرد'' میں تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

''سر محمد شفیع سے بھلا یہ کیوں کر ممکن ہے کہ کسی وائسرائے کی رائے سے ہم رائے نہ ہوں۔انہوں نے وفاداری کا راگ گانا شروع کر دیا ہے۔پنجاب کی بدقسمتی ہے کہ سر محمد اقبال جیسے لیڈر سر محمد شفیع جیسے وفادار کو اپنی آزاد خیالی کی سطح تک ابھار کر نہ لا سکے بلکہ برخلاف اس کے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خود بھی سر محمد شفیع کی وفاداری کی پست سطح پر اتر آئے ہیں۔چنانچہ کمیشن کے متعلق پنجاب مسلم لیگ کے سیکرٹری کا بیان اس کے صدر کے بیان سے کہیں زیادہ چاپلوسی کا ہے۔'' (ص ۳۳)

علامہ صاحب اِس درجہ کامل ''سرسیدی'' تو ڈاکٹر جاوید اقبال کے صریح بیان کے مطابق تھے ہی، اس پر مزید یہ کتاب یہ بھی ظاہر کرتی ہے کہ وہ برصغیر کے معاملات کو ایک حد تک پنجابی صوبائیت (یا کہیے علاقائیت) کی سطح سے دیکھنے والوں میں بھی شامل ہو گئے تھے۔سائمن کمیشن کے بارے میں ان کے جس بیان کے آخری فقرے اوپر نقل کئے گئے ہیں اسی بیان میں ہے:

''جن مسلمانوں نے مسٹر جناح کے اعلان پر دستخط کئے ہیں ان میں سے بعض تو ایسے صوبوں سے تعلق رکھتے ہیں جن میں مسلمان آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ان کی روش پنجاب اور بنگال ایسے صوبوں کے مسلمانوں کی حکمت عملی کو تبدیل یا وضع نہیں کر سکتی۔'' (ص ۳۴)

اسی طرز فکر کا اظہار ان کے مسٹر محمد علی جناح کے نام ایک خط سے بھی ہوتا ہے جو ۲۱ رجون ۱۹۳۷ء کو لکھا بتایا گیا ہے۔اس خط میں تحریر فرماتے ہیں: (آخری جملہ جو ہم نے زیر خط کر دیا ہے وہ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ع)

''.....میرے خیال میں نیا آئین ہندوستان کو ایک ہی وفاق میں مربوط کر لینے کی تجویز کی بنا پر حد درجہ یاس انگیز ہے۔ ہندوستان میں قیام امن اور مسلمانوں کو غیر مسلموں کے غلبہ وتسلط سے بچانے کی واحد ترکیب وہی ہے جس کا ذکر میں نے اوپر کیا۔یعنی مسلم صوبوں پر مشتمل ایک جدا گانہ وفاق کا قیام .....میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ شمالی مغربی ہند اور بنگال کے مسلمانوں کو فی الحال مسلم اقلیت کے صوبوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔'' (ص ۳۲۸)

کیا یہ طرز کلام انہیں علامہ اقبال کا ہو سکتا ہے جنہیں ہم ''عشق کے دردمند'' کے طور پر جانتے آئے تھے؟ اور جن کی آفاقیت نے کہا تھا:

درویش خدا مست نہ شرقی ہے نہ غربی
گھر میرا نہ دلّی نہ صفاہاں نہ سمرقند

نیز ارشاد ہوا تھا:

تو ابھی رہ گزر میں ہے، قیدِ مقام سے گذر
مصر و حجاز سے گزر ، پارس و شام سے گذر

نہیں، یہ دراصل اُن کے اندر ۱۹۲۷ء سے پروان چڑھنے والی ایک نئی شخصیت کا ظہور تھا جو ۱۹۳۷ء کے اُس معرکہ انگیز سال میں اپنے کمال کو پہنچ گئی نظر آتی ہے جس میں انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کے ماتحت ہونے والے الیکشن کے بعد یوپی کی وزارت سازی کے مسئلہ پر لیگ اور کانگریس کے درمیان کبھی نہ پٹنے والی خلیج پیدا ہوئی اور محمد علی جناح بھی سرسید والے دوقومی

نظریے کو اپنانے کی طرف چل پڑے۔اور یہ ۱۹۳۷ء وہ سال تھا کہ علامہ کی ۱۹۳۴ء سے شروع ہونے والی علالت اپنی آخری حدیں چھونے لگی تھی۔اور بالآخر اپریل ۱۹۳۸ء میں شمعِ حیات ہی گل کر گئی۔زندگی کے اس مرحلے میں علامہ کے لئے یہ صورت حال کس قدر تسکین بخش رہی ہوگی کہ وہ اپنے جیتے جی مسٹر محمد علی جناح کو فکری طور پر وہیں پہنچتا ہوا دیکھ رہے ہیں جہاں ان کو پہنچانے کے لئے وہ ۱۹۲۷ء سے کوشاں ہوئے تھے۔ایسے میں ناگاہ ان کے کان میں آواز آتی ہے کہ مسندِ آرائے دیوبند مولینا حسین احمد مدنی اس دوقومی نظریہ کی راہ میں حائل ہونا چاہتے ہیں تب......اس پورے پس منظر کو ذہن میں رکھتے ہوئے......ان کا اس پر یہ بھڑک اُٹھنے والا انداز کچھ غیر متوقع نہیں رہتا۔آخر کو انسان تھے۔

صحت کے اعتبار سے علامہ کے ضعف کا یہ عالم بھی یہاں ملحوظ رہے کہ فروری میں کہے گئے ان اشعار کے سلسلہ میں چھڑ جانے والی بحث پر جب علامہ نے اپنی بات مدلل کرنے کے لئے ایک مفصّل بیان کی ضرورت سمجھی، تو خود اس قابل نہ تھے کہ اس کو لکھ سکیں، بلکہ ڈاکٹر جاوید اقبال کے بیان کے مطابق یہ کام ان کے خاص معاونین، چودھری محمد حسین وغیرہ نے انجام دیا (ص ۳۶۸) اور خود اشعار بھی اپنے معنوی پہلو سے اس گواہی کے لئے کم نہیں کہ علالت کے اثرات ایسے ہی غیر معمولی درجہ پر پہنچ چکے تھے۔ورنہ اگر کسی نے ''ملّت از وطن است'' کا سرود ''بر سرِ منبر'' الاپنے کا ارتکاب کیا بھی تھا تو ''مقام محمد ﷺ'' کی معرفت تو بہت آگے کی چیز، یہ تو اس شخص کے دین محمد ﷺ کی الف با تا سے بھی بے خبری کی دلیل ہے۔پھر یہاں کیا محل کہ مقام محمد ﷺ سے بے خبری کی طعن کی جائے؟ اور وہ کہ جو دینِ مصطفیٰ ﷺ کی الف با تا سے بھی بے خبر پایا جا رہا ہو 'اُسے کیا سمجھ آئے گی کہ ''مصطفیٰ برساں خویش را'' میں علامہ نے کیا فرمایا؟ مگر چونکہ علامہ کے یہاں اصل دین اور دینداری حضرت محمدِ مصطفیٰ ﷺ سے جذباتی تعلق ہے، جیسا کہ ان کی شاعری سے عیاں ہے۔اور اسی کو جناب رشید احمد صدیقی مرحوم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ ''اقبال پر دنیا کے بڑے مذہب کی گرفت اتنی نہیں جتنی ایک بڑی شخصیت کی ہے۔'' (اور اسی سے ان کی عملی دینی کمزوریوں کا عقدہ حل ہوجاتا ہے جو کچھ ایسی راز بھی نہ تھیں، اور ڈاکٹر جاوید نے تو ان کو اس درجہ کھول کر بیان کر دیا ہے کہ اچھا تھا اگر وہ یہ نہ کرتے۔) پس ان اشعار کے معنوی پہلو کے بارے میں یہی کہا جا سکتا ہے کہ انحطاطِ قویٰ کے اس عالم میں جب علامہ نے ''ملت از وطن است'' کے ''سرود'' پر گرفت کے ارادہ سے قلم اُٹھایا تو وہ موقع و محل کی رعایت کرنے کے بجائے بے ساختہ اسی راہ پر رواں ہوا جس کا وہ عادی تھا۔

الغرض علامہ ان اشعار کی تسوید کے وقت جن خاص حالات کے ماحول میں اور صحت کی جس منزل میں تھے اس کے پیشِ نظر ان کا یہ غیر متوقع کلام کچھ ایسا ناقابلِ فہم نہیں رہتا۔صد شکر کہ علامہ کو انتقال سے پہلے اس کا موقع میسّر آ گیا کہ اس قضیۂ نامرضیہ کی وراثت چھوڑ کر نہ جائیں۔حضرت مولانا کی طرف سے کی گئی ایک وضاحت آپ تک پہنچی، جس کے حوالہ سے یہ اعلان اخبارات میں چھپوایا کہ اس کے بعد مولانا پر اعتراض کا کوئی حق انہیں نہیں رہتا۔افسوس آپ کے لوگوں نے آپ کے بعد آپ کا جو مجموعۂ کلام ''ارمغان حجاز'' چھپوایا تو اس میں ان اشعار کو شامل کیا۔ایسا کیوں ہوا؟ زندہ رود میں اس سوال کا جواب بھی آیا ہے۔اور اس سے اُن ''خاص حالات'' کے غیر معمولی اثرات کی مزید توثیق ہوتی ہے جن کے حوالہ سے علامہ کے بالکل غیر متوقع طرزِ کلام کی توجیہ ممکن ہوئی۔علامہ کے رجوع کے بعد ان اشعار کو ان کے نامہ اعمال میں برقرار رکھنے کا جواز بتاتے ہوئے کہا گیا ہے کہ مولانا نے بعد میں ''متحدہ قومیت اور اسلام'' کے نام سے جو رسالہ چھاپا وہ

وضاحت کے برعکس تھا۔ پھر اس میں علامہ کی توہین کرتے ہوئے انہیں ساحرانِ برطانیہ کے سحر میں مبتلا قرار دیا گیا اور ''کودکِ ناداں'' کے لقب سے نوازا گیا۔ (ص۳۷۰)''اس بیانِ جواز میں صرف یہی نہیں ہے کہ ساحرین برطانیہ کے سحر میں آجانے کی جو بات حضرت مولٰینا نے محض ایک بشری کمزوری کے طور پر کہی تھی، جس کی زد میں ہر شخص آسکتا ہے، اسے طنز وملامت پر محمول کرلیا گیا بلکہ اس ستم سے بڑھ کر یہ کہ ''کودکِ ناداں'' والا شعر جو صاف طور پر حضرت مولانا نے، ازراہِ عجز وانکسار، اپنے حق میں لکھا ہے اسے حضرت علامہ کے حق میں پڑھ لیا گیا۔ حالانکہ ''زندہ رُود'' پڑھ کر کسی ایسے شبہ کی ادنیٰ گنجائش نہیں رہتی کہ ڈاکٹر جاوید اقبال کی اردو فارسی اتنی کمزور ہوتو پھر اس برعکس فہم کی ذمہ داری کے لیے نظر سوائے مسلم لیگ اور کانگریس کی ہوشربا کشمکش والے ان حالات کے، اور کس طرف جائے جو مسٹر جناح سے مولانا آزاد کو ''شو بوائے'' کہلوا دیں اور علامہ کی زبان پر شیخ دیو بند کے لئے ''بولہبی'' کی وعید جاری کرادیں۔

☆......☆......☆

اس تحریر کا اصل مدعا تو پورا ہوگیا۔ یوں اور کافی باتیں اس میں ایسی ہیں کہ نقل کردینے کی گنجائش ہوتو سب کام کی۔ تاہم ان میں ایک دو جو موجودہ مادّیت اور زر پرستی کے دور میں ''قندیلِ رُہبانی'' کا سامنظر پیش کرتی ہیں ان کی گنجائش تو نکالنی ہی چاہئے۔ شاید ہم میں سے کچھ لوگوں کے دل ان میں پوشیدہ نصیحت سے جاگ پڑیں، کہ بہت اندھیری چھائی ہے۔ اور یہ نصیحت علامہ کی شاعری کے خاص موضوعات میں سے ہے۔

> ''علامہ کے سفرِ افغانستان کے حوالہ سے وہاں کی معروف شخصیت ملاّ شور بازار کے یہاں حاضری کا جو ذکر آیا ہے تو بے تاج بادشاہ کا درجہ رکھنے والی اس شخصیت کے مکان کی کیفیت بھی قابل ذکر پائی گئی۔ لکھا ہے کہ وہ ''ایک تنگ گلی کے اندر تھا اور ہر قسم کے تزک واحتشام اور ظاہری آراستگی سے خالی۔ باقاعدہ نشست گاہ بھی نہ تھی۔ زنانہ مکان تھا جہاں پردہ کرا کر ان لوگوں کو اندر جانے کی اجازت ملی۔ انہیں ایک لمبے کمرہ میں لے جایا گیا جس میں ایک طرف یک پلنگ بچھا تھا اور باقی زمین پر سادہ فرش بچھا تھا۔'' (ص۲۳۶)

علامہ کو ان کی زندگی کے آخری سالوں میں علالت کے ساتھ ساتھ معاشی پریشانی نے بھی گھیر لیا تھا۔ آپ کے دوست اور قدرداں سر راس مسعود (وزیرِ تعلیم ریاست بھوپال) کی کوشش سے ریاست سے آپ کے لئے پانچ سو روپے ماہوار تاحیات کا وظیفہ منظور ہوا۔ سر راس مسعود نے اس کی اطلاع کے ساتھ یہ بھی لکھا کہ وہ کوشاں ہیں کہ بھوپال کے علاوہ حیدرآباد، بہاولپور وغیرہ بھی ان کے لئے وظیفے جاری کریں۔ اس کے جواب میں علامہ کا خط نقل کیا گیا ہے:

> ''آپ کو معلوم ہے کہ اعلیٰ حضرت نواب صاحب بھوپال نے جو رقم میرے لئے مقرر فرمائی ہے وہ میرے لئے کافی ہے۔ اور اگر کافی نہ بھی ہوتو میں کوئی امیرانہ زندگی کا عادی نہیں۔ بہترین مسلمانوں نے سادہ اور درویشانہ زندگی بسر کی ہے۔ ضرورت سے زیادہ کی ہوس کرنا روپیہ کا لالچ ہے جو کسی طرح بھی کسی مسلمان کے شایانِ شان نہیں ہے۔ آپ کو میرے اس خط سے یقیناً کوئی تعجب نہ ہوگا کیونکہ جن بزرگوں کی آپ اولاد ہیں اور جو ہم سب کے لئے زندگی کا نمونہ ہیں اُن کا شیوہ ہمیشہ سادگی اور قناعت رہا ہے۔'' (ص۲۶۸)

(مطبوعہ: ''الفرقان'' لکھنؤ۔ مئی ۲۰۰۵ء)

(جاری ہے)

مولانا یحییٰ نعمانی (لکھنؤ)

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کا ایک عظیم کارنامہ
شریعت اسلامیہ کی حکیمانہ ترجمانی

[علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ علوم اسلامیہ کی جانب سے ''شاہ ولی اللہؒ کی فقہی خدمات'' کے موضوع پر ۱۸۔۱۹ر نومبر ۲۰۰۵ء کو ایک دوروزہ سیمینار منعقد ہوا۔ سیمینار سے چند روز پہلے ڈائریکٹر سیمینار اور ہمارے قدیم کرم فرما جناب مولانا ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی مدظلہم کا خط موصول ہوا کہ مقالہ بھلے تیار نہ ہو، شرکت ضرور کریں، نتیجتاً شرکت کی گئی، بڑا سنجیدہ سیمینار تھا اور ڈائریکٹر سیمینار مولانا یٰسین مظہر صدیقی کی حوصلہ مندی و بلند ہمتی کا نشان۔ حضرت شاہ صاحبؒ کے فقہی نظریات پر بڑے جامع مقالات مختلف عنوانات کے تحت سامنے آئے۔ ذیل کی سطروں میں راقم کی وہ تقریر نذر ناظرین ہے جو سیمینار کے اختتامی اجلاس میں صدارتی خطبہ کے طور پر کی گئی۔ یونیورسٹی کے ایک ریسرچ اسکالر نے اسی وقت تقریر کے نوٹس لے کر یہ کہہ کر ہی حوالے کئے تھے کہ اب مرتب کر کے ''الفرقان'' میں دے دی جائے۔

سیمینار کی آخری نشست میں ایک ایسا مقالہ بھی پڑھا گیا جس میں موجودہ دنیا میں قیام امن کے لیے شاہ ولی اللہؒ کے نظریات کے حوالے سے بعض تجاویز پیش کی گئی تھیں۔ مقالہ انگریزی میں تھا اور فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے تھا۔ راقم سطور نے محسوس کیا کہ شاہ صاحبؒ نے مسئلہ وحدۃ الوجود کی جو تشریح و تائید کی ہے، اس کو بنیاد بنا کر فاضل مقالہ نگار نے کفر و اسلام کی سرحدوں کو نرم کرنے کی سعی کی ہے، اور بات پر امن بقاء باہمی کے نظریے سے کہیں آگے بڑھ کر اہل اسلام کے ملّی تشخص کے تحلیل کرنے تک پہنچ رہی ہے، جس کے لیے اگر کفر و اسلام کا آمیزہ تیار کرنا پڑے تو اس کے لیے بھی جواز ''وحدۃ الوجود'' کا نظریہ فراہم کر سکتا ہے۔ اس لیے راقم سطور کو اپنی تقریر میں اس مسئلہ پر بھی کچھ اظہار خیال کرنا پڑا۔ یحییٰ]

حمد وصلوٰۃ کے بعد:

امام الہند حضرت شاہ ولی اللہؒ کی فقہی خدمات کے مختلف پہلوؤں پر بڑے جامع مقالات پڑھے گئے۔ مقالہ نگار حضرات کے علم و فضل میں اللہ اضافہ فرمائے اور خاص طور پر شعبۂ علوم اسلامیہ کے ذمہ داروں، خصوصاً اس کے روح و رواں اور ڈائریکٹر سیمینار پروفیسر مولانا محمد یٰسین مظہر صدیقی مدظلہم کو جزائے خیر دے جنہوں نے علم و فکر کی یہ بزم سجائی اور ہم سب کو اس سے مستفید ہونے کا موقع دیا۔

حضرت شاہ صاحبؒ کو اللہ نے بڑے عظیم ہمہ گیر تجدیدی کام کے لیے منتخب فرمایا تھا۔ لیکن برصغیر ہندو پاک میں ان کے تجدیدی کام کا سب سے اہم گوشہ شریعت و فقہ اسلامی کے میدان ہی میں تھا۔ سیمینار میں اس کارنامے کے مختلف

پہلوؤں پر شاہ صاحبؒ کے کام اور ان کے نظریات کا تعارف کرایا گیا۔

لیکن اس کم علم کا اندازہ ہے کہ حضرت شاہ صاحبؒ کا فقہ وشریعت اسلامیہ کی خدمت کے میدان میں کا جو اہم ترین کام ہے اور شاید وہی ان کی تجدید کا اصل عنوان ہے وہ ہے شریعت اسلامی کی حکیمانہ ترجمانی، اور شرعی احکام اور اسلامی نظام زندگی کی وہ تعبیر وتشریح جس میں صاف طور پر نظر آئے کہ یہ احکام انسانی مصالح کے نگہبان اور جوہر انسانیت کی حفاظت وترقی کے ضامن ہیں۔ یہ پہلو شاہ صاحبؒ کی تجدید کا سب سے دیدہ زیب حصہ ہے۔ میرا خیال ہے کہ سیمینار میں اس پہلو پر پورے طور پر روشنی نہیں پڑ سکی ہے۔ اس لیے کچھ اسی سے متعلق گفتگو کا ارادہ ہے۔

سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ چونکہ یہ ملت آخری اور یہ نبوت آخری ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اس دین کی حفاظت کے لیے اور اس لیے کہ لگاتار ارتقاپذیر دنیا کے لیے اس کی مسلسل رہنمائی فراہم ہوتی رہے، اس امت میں سلسلۂ تجدید جاری فرمایا ہے تاکہ اس کے ذریعہ انسانوں پر علوم نبوت کا فیضان ہوتا رہے۔ قرآن مجید کے اشارے اور سنت نبویہ کی تصریحات ہمیں اس کا پتہ دیتی ہیں کہ یہ نظام تجدید اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق والہام کے ساتھ قائم ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ہر زمانے میں مجدد دین ہونے کی بشارت آں حضرت محمد ﷺ نے جن الفاظ میں دی ہے وہ وہی الفاظ اور وہی اصطلاح (بعثت) ہے جن کے ذریعہ انبیاء علیہم السلام کے آنے کی خبر دی جاتی ہے۔

اِنَّ اللہ یَبعَثُ لِھٰذِہِ الاُمَّۃِ عَلیٰ رَأسِ کُلِّ قَرنٍ مَن یُجَدِّدُ لَھَا دِینَھَا۔ (ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ اس امت کے لیے ہر دور میں ایسے لوگ بھیجے گا جو اس کے دین کی تجدید کرتے رہیں گے۔

یہ نہ معاذ اللہ کوئی نئی نبوت ہے نہ کوئی بدعت، بلکہ محض امامت دین اور وراثت نبوی کا تسلسل ہے اور اللہ کی توفیق خاص اور الہام کا معاملہ ہے۔ وراثت نبوت کی حامل جماعت کے لیے کہیں قرآن کہتا ہے:

فَأَنزَلَ اللّٰہُ سَکِینَتَہ عَلیٰ رَسُولِہٖ وَعَلَی المُؤمِنِینَ وَأَلزَمَھُم کَلِمَۃَ التَّقویٰ. (الفتح:۲۶)

تو اللہ تعالیٰ نے اپنی سکینت واطمینان نازل فرمایا اپنے رسول اور مومنین پر اور ان کو تقویٰ کی بات کے ساتھ لازم کر دیا (یعنی انکی زبان پر حق جاری کر دیا)۔

قرآن وسنت میں اس طرح کے اشارے اور بھی ہیں، یہاں اس سے اس نتیجہ تک پہنچنا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ مجدّد دین سے اپنے خصوصی الہام وتوفیق کے ذریعہ اسلام کی وہ خدمت اور نصرت دین کا وہ کام لیتا ہے جس کی اس دور میں خاص ضرورت ہوتی ہے، اور اس میں ان کی اپنی ذہانت وذاتی علم کو زیادہ دخل نہیں ہوتا بلکہ اصل کارفرمائی توفیق الٰہی اور الہام ربّانی کی ہوتی ہے۔

شاہ صاحبؒ کا زمانہ وہ ہے کہ جب قدیم دنیا کے بطن سے اک نئی دنیا کا ظہور ہو رہا تھا۔ انسانیت فکر وتہذیب کے ایک بالکل نئے دور میں داخل ہو رہی تھی۔ یورپ کی نشاۃ ثانیہ کے نتیجہ میں مغرب کی مادہ پرستانہ وظاہر بین تہذیب کا سیلاب بلاخیز آیا چاہتا تھا۔ ایک عقل پرست دور آنے والا تھا، جس میں امت مسلمہ کے ایمان کی سلامتی کے لیے اور عام انسانوں کو دعوت دینے کے لیے شریعت اسلامی کی عقل کو مطمئن کرنے والی تشریح کی ضرورت ہونی تھی۔ اس کو توفیق ربانی اور فیض

الہام کے سوا اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ ابھی برصغیر میں مغربی فکر وتہذیب کی شاید ہوائیں بھی نہ پہنچی ہوں گی، اور وہاں آنے والے عقلی طوفان کی کچھ لہریں بھی ہند کے ساحل سے نہ ٹکرائی ہوں گی کہ امام الہند اس کے مقابلہ کے لیے لام بندی کرتا نظر آتا ہے۔ یہی نہیں کہ شاہ صاحبؒ ماضی کے آدمی نہیں تھے، بلکہ یہ کہنے میں کوئی مضائقہ نہیں کہ شاہ صاحب اپنے حال سے زیادہ مستقبل کے آدمی تھے، ان کو غیب سے اس طرح کے اشارے ملے تھے، کہ فقہ اسلامی اور شریعت محمدی کو اب نئے دلیل وبرہان اور نئی ترجمانی کی ضرورت ہے۔ شاہ صاحبؒ کا یہ کارنامہ ان کے علمی شاہکار ''حجۃ اللہ البالغۃ'' کی شکل میں سامنے آیا ہے، اس کے مقدمہ میں شاہ صاحبؒ نے صاف طور پر اظہار فرمایا ہے کہ ان پر علم نبوت کا یہ فیضان ہوا کہ دین کی ایک خاص قسم کی توضیح وتشریح اور ترجمانی کی ضرورت ہے اور یہ حکمت ان کو عطا فرمائی جارہی ہے، پھر کچھ دنوں کے بعد ان کے دل میں خیال اس طرح ڈالا گیا کہ انہی کو یہ کام کرنا ہے، تاکہ شریعت محمدیہ کی دلیل وبرہان کے کامل پیرہن میں جلوہ افروز ہو پھر زمین اللہ کے نور سے چمک اٹھے گی، اور شریعت کی ترجمانی کے اس نورانی سورج کی کرنیں مغرب میں منعکس ہوں گی، (حجۃ اللہ البالغہ) اس کم علم کا خیال ہے کہ شریعت کی ترجمانی اور اس کی حکیمانہ تشریح دراصل شاہ صاحبؒ کی فقہی خدمات میں سب سے بنیادی کارنامہ اور سرفہرست عنوان ہے۔ اس لیے کہ فقہ شریعت کی ترجمانی وتعبیر ہی تو ہے۔ شریعت روح ومغز، اور فقہ اس کا جسم اور ظاہری لباس ہے۔

حکمت ولی اللہی کی عصری معنویت:

ہم سب جانتے ہیں کہ انسانی علم ارتقاء پذیر ہے۔ مغربی تہذیب کے جلو میں کائنات پر تحقیق کا ایک نیا دور شروع ہوا، اور مادّی کائنات پر کی جانے والی تحقیقات اسلامی حقائق پر مزید گہرے ایمان کا ذریعہ بنیں، اور قرآن کی حقانیت مزید واضح ہوئی۔ شروع شروع میں جب انسان نے کائنات کی دریافتیں کیں تو اس کو علم کا اور ہمہ دانی کا کچھ غرّہ ہوا، اور وہ وحی نبوت اور مافوق الطبیعت ہر چیز کا منکر ہوا، مگر ذرا وقت گذرا اور دریافت وتحقیق کا نشہ کچھ کم ہوا تو اب سائنس کی دنیا میں عجز وقصور اور نگاہ وعلم کی تنگ دامنی کا اعتراف بھی عام ہے، اور اسلام کا معجزہ بھی ظاہر تر ہوتا جارہا ہے۔

مغرب نے کائنات کے ساتھ خود حضرت انسان کو بھی اپنے مطالعہ کا موضوع بنایا، اور جس طرح اس نے کائنات کے بارے میں ماضی کے سارے تصورات کو بالائے طاق رکھ کر از سر نو مطالعہ کیا تھا، اسی طرح انسان پر تحقیق میں اس نے پچھلے سارے مسلّمات کو بھی ایک طرف رکھ دیا اور خالص مادّی طریق تحقیق سے انسان کا مطالعہ کیا۔ اللہ کی تقدیر کہ مغرب صرف تلوار کا فاتح نہیں ثابت ہوا، فکر وقلم کے میدان میں بھی اس نے فتحیابی کے جھنڈے گاڑے، شاہ صاحبؒ تو اس کی فتحیابیوں کے مکمل ہونے سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، مگر توفیق الٰہی نے ان سے مستقبل کے زمانے کے کار تجدید کی بنیاد رکھوائی تھی۔ خود انہوں نے اپنے بارے میں تحدیث نعمت کے طور پر کہا تھا کہ وہ اپنے دور کے ''فاتح'' ہیں۔

مغربی تہذیب کے عالم گیر پھیلاؤ کے نتیجہ میں دنیا میں ایک خاص طرز فکر بھی عام ہونا تھا، جس کی بہت کچھ بنیاد انسانی واجتماعی علوم کے بارے میں مغرب کے مطالعہ میں پائی جاتی تھی۔ اس مطالعہ میں انسان کی فکری خصوصیات، اس کے جذبات، اس کی نفسیات، اس کی معاشرت، اس کی تہذیب، تمدن، رسم ورواج، اجتماعی معاملات، تاریخ، اخلاقیات، سیاسیات، اور

معیشت وتجارت کے موضوع پر خالص عقل وتجربہ کی بنیاد پر بہت سارے نظریے قایم کیے گئے ہیں۔اس میں بہت کچھ مثبت تحقیقات اور فطرت کے گہرے رازوں کا علم ہے،اور بہت کچھ ایسا بھی جو صرف مذہب کے خلاف مغرب کی ردعمل کی نفسیات کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا جہل وضلال اور فتنہ وفساد۔مگر یہ ضرور ایک حقیقت ہے کہ اب جب شریعت یا فقہ کا کوئی حکم بیان کیا جاتا ہے تو ایک عام پڑھا لکھا آدمی یہ چاہتا ہے کہ اس کے ذہن کو اس کی حکمت ومصلحت اور عقلی توجیہ بھی بتائی جائے۔

''حجۃ اللہ البالغۃ'' شاہ صاحبؒ نے شریعت اسلامیہ کی اسی حکیمانہ تشریح اور شرعی مصالح کے اظہار کے لیے تحریر فرمائی ہے۔مگر آپ ضرور حیران ہوں گے کہ شاہ صاحب نے دینی تصنیف کی صدیوں سے چلی آرہی مروّجہ فقہی وکلامی ترتیب کو چھوڑتے ہوئے کتاب کے آغاز میں ، انسان ، اس کی تخلیق ،دنیا میں اس کے مقام وحیثیت ،اور پھر تمدن کے ارتقا (ارتفاقات) کی اس ترتیب وانداز سے شرح کی جس میں اسلامی احکام فِٹ (Fit) بیٹھ سکیں۔اس کے بعد شاہ صاحب نے انسانی علوم کے اس بنیادی سوال کو کہ ''انسان کی کامیابی کیا ہے؟''عقلی انداز سے اٹھایا ہے،اور اسکی ایسی گہری عقلی تشریح کی ہے کہ دین وشریعت کے مقاصد سامنے آجاتے ہیں۔شاہ صاحب نے اس طرح شریعت کی نئی عقلی تشریح وتعبیر کی بنیاد رکھی ہے۔جس میں شرعی احکام کی انسانی علوم اور سوشل سائنسز کی روشنی میں اسرار اور حکمتیں بیان کی جاتی ہیں۔

پھر پوری کتاب اس تشریح اور حکیمانہ توجیہ کا شاہ کار ہے۔ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ یہ کام یعنی شرعی احکام کی مصلحتوں کا اظہار وبیان اور اس کی عقل کی روشنی میں تائید شاہ صاحب پر ختم نہیں ہوتا ، بلکہ شاہ صاحب نے یہ کام شروع فرمایا تھا۔انہوں نے چٹان کھود کر سرنگ نکال دی ہے، بند راستوں کو کھول دیا ہے۔انسانی عقل وعلم ارتقا پذیر ہے۔تجربات انسان کو بصیرت دیتے رہتے ہیں،نئی جاہلیت نے دنیا کو فساد وظلم سے بھر دیا ہے۔ضرورت اس بات کی ہے کہ اس باب میں ولی اللہی جماعت قدم آگے بڑھائے۔اور عقل وتجربات کی روشنی میں اس حقیقت کو روشن تر کرے کہ شریعت اسلامی ہی کے سائے میں انسانی مصالح کی رعایت ممکن ہے،اور وہی انسان کے صحت مند ارتقا کی ضامن ہے۔

جی چاہتا ہے کہ درخواست کروں کہ مسلم یونیورسٹی کے شعبۂ اسلامیات میں اس کام کے لیے بلکہ زمانے کی اس تشنہ ضرورت کے لیے کوئی خاص سیل قائم ہو،اور ہم سب اس کے ساتھ تعاون کی کوئی شکل نکال سکیں۔

اس سیمینار کے دوران بڑا احساس ہوا کہ سیمینار میں ہمارے مدارس کے فضلاء کی کافی تعداد ہوتی تو بڑا فائدہ ہوتا۔یا کوئی ایسی شکل ہوتی کہ اس سلسلے کے سیمینار شعبۂ علوم اسلامیہ کسی بڑے دارالعلوم میں کراتا۔ایسی صورت میں اس کی افادیت کا دائرہ کافی وسیع ہوتا۔

آخر میں یہ کم علم ایک ضروری وضاحت کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔حضرت شاہ صاحبؒ دین اسلام کے ایک عظیم المرتبت مجدّد ہیں۔مگر ہمارا ان سے رشتہ اسی لیے ہے اور اسی بنا پر ان کا احترام ہمارے دل میں ہے کہ وہ اسلام کے ایک خادم اور رسول اللہ ﷺ کے دین کے ایک ترجمان ہیں۔ ہمارے سامنے ان کی طرف منسوب اگر کوئی ایسی فکر آتی ہے جس سے اسلام کے محکم ویقینی عقائد پر کوئی حرف آتا ہے تو ہم بے تکلف اس فکر سے برأت ظاہر کرتے ہیں۔

ہم یہ کہنا ضروری سمجھتے ہیں کہ مسئلہ وحدۃ الوجود کی بنیاد پر اگر اسلام اور کفر کی سرحدوں کی دوری کو کم کرنے کی

کوشش ہوتی ہے تو ہم کو ایسے ''وحدۃ الوجود'' سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ ہم اس کو آخری درجہ کی گمراہی سمجھتے ہیں۔ اور ہم اس کے بارے میں وہی کہیں گے جو حضرت مجدّد الف ثانیؒ نے اپنے ایک مسترشد سے فرمایا تھا کہ:

''میرے مخدوم! فقیر اس طرح کی باتوں کو سننے کی تاب نہیں رکھتا۔ ہمیں محمد عربی ﷺ کی پروا ہے ابن عربی کی نہیں۔ ہمیں نص چاہیے، فص نہیں۔ فتوحاتِ مدینہ نے ہم کو ''فتوحاتِ مکیہ'' (۱) سے بے نیاز کر دیا ہے۔'' (مکتوبات)

میں یہ بھی واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ''وحدۃ الوجود'' اس راہ کے تجربہ کاروں کے مطابق ایک خالص ذوقی چیز اور روحانی مشاہدہ ہے۔ اس کا خارج کی حسّی دنیا سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ حضرات ہمیشہ ظاہر اور مظہر میں فرق کرتے آئے ہیں۔ اس سے زیادہ تفصیل کا یہ موقع نہیں۔

دوسری بات یہ بھی جان لینی چاہیے کہ ہم جس شاہ ولی اللہؒ کو جانتے ہیں وہ ہرگز اس کے لیے تیار نہیں تھے کہ کفر و اسلام اور حق و باطل کا کوئی آمیزہ تیار کیا جائے۔ ان کی کتابیں اس پر گواہ ہیں کہ وہ شعائرِ اسلام کے احیاء اور ملت توحید کی صفات کو زندہ کرنے کے لیے کوشاں رہے۔

ہم جس شاہ ولی اللہؒ سے واقف ہیں اس کے دل میں ملّی حمیت کا شعلہ جلتا تھا۔ وہ اسلام کی غربت اور شعائرِ اسلام کی پامالی پر خون کے آنسو روتا تھا، کچھ اور نہ پڑھیے صرف احمد شاہ ابدالی کے نام شاہ صاحب کے خطوط پڑھیے، یہ مغالطہ دور ہو جائے گا کہ شاہ صاحب کے فکر سے کچھ ایسا بھی برآمد کیا جا سکتا ہے جو ہمیں یہ بتائے کہ ''امن'' کی خاطر کفر و اسلام کی سرحدوں کو ختم کیا جا سکتا ہے۔

اس وقت دنیا میں پھیلی بدامنی کی وجہ یہ نہیں ہے کہ لوگ ''وحدۃ الوجود'' کے مسئلے سے ناواقف ہیں۔ امن و سلامتی سب کو مطلوب ہے مگر اس امن کے مقابلے میں ہمیں موت عزیز ہے جس کی خاطر اسلام کو کفر آمیز کیا جائے۔

(مطبوعہ: ''الفرقان'' لکھنؤ۔ دسمبر ۲۰۰۵ء)

---

(۱) اشارہ ہے ابن عربی کی کتاب ''فصوص الحکم'' اور ''فتوحاتِ مکیہ'' کی طرف

ہمہ قسم ہومیو کتابوں کا مرکز
ملک ہومیو سٹور
ہمارے ہاں جرمنی، فرانس، بائیو ران اور پاکستان
میڈیسن ہول سیل ریٹ پر دستیاب ہیں
چوک گھنٹہ گھر کچہری روڈ ملتان 0300-7312131

مولانا مشتاق احمد
(جامعہ عربیہ چنیوٹ)

ہندومت کا تصور روحانیت

اسلام، دین فطرت ہے اور وہ اپنے ماننے والوں کو ہر شعبۂ زندگی میں اعتدال کی تعلیم دیتا ہے۔اسلام نے مسلمانوں کو غیر معمولی مشقت میں ڈالنے والا کوئی حکم نہیں دیا۔عبادات کے لئے کسی خاص جگہ اور مکان کی قید نہیں لگائی۔ بیوی بچوں کو چھوڑ کر جنگلوں میں ڈیرے لگانے کی تلقین نہیں کی۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح طور پر فرمادیا کہ اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ایک موقعہ پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے ہمیشہ رات کو جاگنے، دن کو روزہ رکھنے اور عورت سے دور رہنے کا عہد کیا۔حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو علم ہوا تو آپ ان پر ناراض ہوئے اور فرمایا کہ میں رات کو جاگتا بھی ہوں، سوتا بھی ہوں، روزہ بھی رکھتا ہوں اور افطار بھی کرتا ہوں۔جو میرے طریقہ پر نہیں چلے گا وہ مجھ میں سے نہیں ہے۔

اسلام تو یہ کہتا ہے کہ انسان نے ایک دن مرنا ہے۔اور قیامت کے دن اپنے اچھے برے اعمال کے متعلق حساب دینا ہے۔اگر اعمال اچھے ہوں گے تو جنت میں جائے گا ورنہ دوزخ میں۔اس کے برعکس ہندو مذہب میں اگرچہ دنیا کے متعلق عارضی اور فانی ہونے کا تصور موجود ہے۔لیکن ہندو کہتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اچھے کام نہیں کرتا۔فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہے۔تو اس کی روح بے چین رہتی ہے۔اور مرنے کے بعد روپ بدل کر پھر دنیا میں آجاتی ہے۔جب تک وہ شخص نیک کام نہیں کرتا، اس کی روح واپس آتی رہتی ہے۔اور جو لوگ اطاعت گزار ہوتے ہیں اُن کی روحیں دنیا میں واپس نہیں آتیں۔نہ ہی ان کا دوبارہ جنم ہوتا ہے۔دنیوی زندگی ایک دھوکہ اور مغالطہ ہے۔اس مغالطہ کو دور کرنے کے لیے ہندومت میں حسب ذیل طریقے تجویز کئے گئے ہیں: (۱) راہ عمل وقربانی (۲) راہ علم ومعرفت (۳) راہ ریاضت

''کرم مارگ'' یا راہ عمل کا خلاصہ یہ ہے کہ انسان دیوتاؤں کے لیے قربانیاں کرکے ان کی خوشنودی حاصل کرے۔قربانی ہی سے دیوتا اچھی طرح اپنے فرائض ادا کر سکتے ہیں۔ان کی عمدہ کارکردگی قربانیوں پر موقوف ہے۔''جناں مارگ'' یا راہ علم، راہ عمل کو ناکافی سمجھتے ہوئے دریافت کیا گیا۔ہندو رہنماؤں نے یہ سمجھا کہ صرف راہ عمل سے حقیقی نجات نہیں مل سکتی اسلئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ خود عمل اور اس کی ماہیّت کیا ہے۔وہ قانون کیا ہے جس کے مطابق بسر کرنے سے آدمی عمل وردِّعمل کے چکر سے نجات حاصل کرسکتا ہے۔اس طریقۂ نجات کی بنیاد نظریۂ وحدت الوجود پر ہے۔آگے بڑھنے سے پہلے دو باتیں جاننا ضروری ہے وہ یہ کہ:

(۱) ہندومت میں ذات پات کا نظام شدت سے کارفرما ہے۔ان کے نزدیک ہندوؤں کی چار ذاتیں ہیں۔برہمن، کھشتری، ویش، شودر۔ان کے بقول برہمن خدا کے منہ سے کھشتری بازوؤں سے، ویش رانوں سے اور شودر پاؤں سے پیدا ہوئے ہیں۔اس لیے مذہبی معاملات برہمن کے حوالے کیے گئے۔حکومت کے لئے کھشتری، کاروبار کے لئے ویش اور ان سب کی خدمت کے لئے شودر مخصوص ہیں۔

(۲) انسان کی اوسط عمر ۱۰۰ سال مان کر برہمنوں کی عمر کے چار برابر حصے کئے گئے جنہیں آشرم کہتے ہیں۔

(الف) برہمچاریہ آشرم، ۲۵ سال کی عمر تک مذہبی تعلیم حاصل کرنے کو کہتے ہیں۔ (ب) گرہستھ آشرم، ۲۵ سے ۵۰ سال تک اس عرصہ میں برہمن شادی کرتے ہیں امور خانہ داری نبھاتے ہیں۔ مذہبی رسومات ادا کرتے رہتے ہیں۔ (ج) دان پرستھ آشرم، ۵۰ سے ۷۵ سال تک۔ اس عرصہ میں برہمن تارک الدنیا ہوکر جنگل میں عبادت کرتے ہوئے زندگی گزارتا ہے۔ (د) سنیاس آشرم، ۷۵ سال کے بعد وہ بغیر کسی جگہ قیام کئے زندگی گزارتا ہے دوسروں کو مذہبی تعلیم دیتا۔

اس تمہید سے مقصد یہ بتانا ہے کہ ہندومت میں طریقہ ہائے نجات کا برہمن کی زندگی کے آخری دو حصوں کے ساتھ گہرا تعلق ہے۔ ہندومت میں نجات کے طریقے سیدھے سادھے اور آسان ہرگز نہیں ہیں بلکہ وہ فکر ونظر کی پیچیدگیوں سے بھرے ہوئے ہیں۔ اس لیے ان طریقوں کو فلسفہ سے تعبیر کیا جاسکتا ہے بلکہ تعبیر کیا جاتا ہے۔ ہندومت میں فلسفۂ نجات کی چھے الگ الگ تعبیریں ہیں:

(۱) فلسفۂ یوگ (۲) فلسفۂ سانکھیہ (۳) فلسفۂ میماسا (۴) فلسفۂ ویشک (۵) فلسفۂ نیایا (۶) فلسفۂ ویدانت

ان چھے فلسفوں میں سے فلسفہ یوگ جو بہت زیادہ مشہور ہے کسی قدر تفصیل کے ساتھ لکھا جاتا ہے۔

فلسفۂ یوگ کا تعارف:

یوگ کی نسبت پتنجلی کی طرف کی جاتی ہے جس کی کتاب یوگ سوتر ہے۔ اسے پتنجلی سوتر بھی کہتے ہیں۔ اس فلسفہ میں خدا کا تصور بھی پایا جاتا ہے۔ خدا کے ایک ہمیشہ رہنے، آباء واجداد اور اولاد سے پاکیزگی اور ہر جگہ موجود ہونے کے تصورات بھی ملتے ہیں۔ یوگ کو بجا طور پر ہندوستانی تصوّف کہا جاسکتا ہے۔ فلسفۂ یوگ میں روح پاک اور بے عیب ہے۔ غیر متحرک ہے تاہم جسم کے ساتھ اتصال کی وجہ سے متحرک نظر آتی ہے۔ جیسے چاند بادلوں میں متحرک نظر آتا ہے۔ فلسفۂ یوگ کے مطابق انسان کی ذہنی کیفیات کی تقسیم یہ ہے۔

(۱) پرمانہ: اشیاء کی صحیح شناخت (۲) وپریایہ: اشیاء کی غلط شناخت (۳) وی کلپہ: تصور وخیال

(۴) نِدرہ: غفلت کی حالت (۵) سمرتی: قوتِ حافظہ

روح تصورات کو عقل کی تختی پر دیکھ کر اپنے آپ کو متحرک خیال کرتی ہے۔ اسے یہ گمان ہوتا ہے کہ وہ ماں کے پیٹ سے پیدا ہوئی۔ بچپن، جوانی اور بڑھاپا کے مراحل سے گزرنے کے بعد وہ مرجائے گی۔ اس طرح فنا ہوجانا ایک مغالطہ ہے جو روح کو پیش آتا ہے۔ اس مغالطہ سے بچنے کے لیے تین چیزیں ضروری مانی گئی ہیں۔

(۱) جسمانی صحت ..... اس کے تین اصول ہیں۔

(الف) فکر ونظر کی صحت (ب) ورزش ظاہری ورزش انسان خود کرتا ہے اور معنوی ورزش یوگ سکھاتا ہے۔ (ج) صحیح خوراک۔

(۲) مراقبہ ..... انسانی توجہ کے لئے کوئی ایک مرکز ہونا چاہئے اس ضروت کے پیش نظر یوگی ریاضتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کو اپنی توجہ کا مرکز بنایا جاتا ہے۔ مراقبہ کے لیے مستقل مزاجی اور صحیح نیت ضروری ہے۔

(۳) یوگ کے آٹھ مراحل: ..... یہ پہلے دو اصولوں کی تفصیل ہے اسکی ترتیب درج ذیل ہے:

یام۔ نیام۔ آسن۔ پرانایام۔ پرتی ہار۔ دھارن۔ دھیان یا مراقبہ۔ سمادھی

(۱) یام سے مراد ہے عہد کرنا۔ یوگ کی ریاضت کرنے والے کو مندرجہ ذیل باتوں کا عہد کرنا پڑتا ہے۔ (الف) اہنسا یعنی کسی بھی ذی روح کو تکلیف نہ دینا (ب) اشیاء یعنی چوری اور حرص و آز سے دور رہنا (ج) اپرگر یعنی زیادہ اشیاء کی فراہمی سے پرہیز کرنا

(۲) نیام: .....نیام عمل کرنے کے مرحلہ کا نام ہے اس کے درج ذیل اجزاء ہیں:

(۱) جسم کی صفائی (۲) سنتوش یعنی قناعت و استقلال (۳) سوچ یعنی غور و خوض کرنا (۴) وید کا مطالعہ۔ اوم کا جاپ کرنا اس کے معانی پر غور کرنا (۳) آسن.....اس سے مراد ہے انداز نشست۔ یوگ کی ریاضت کے لئے ضروری ہے کہ شور و غل سے دور ایسی جگہ کا انتخاب کیا جائے جہاں اکھٹے ہو کر عبادت یعنی اللہ کی بارگاہ میں سجدہ کیا جائے۔ (اس انداز نشست کو سیکھنے کے لیے استاد کی ضرورت ہوتی ہے)

۴: پرانایم یا طریق دم کشی:

یہ ایک سخت ترین ورزش ہے۔ اس میں ایک نتھنے سے سانس اندر کھینچنا۔ سینہ میں جمع کرنا اور دوسرے نتھنے سے باہر نکالنا ہوتا ہے اس کے لیے کامل استاد کی ضرورت ہوتی ہے بصورت دیگر ورزش کرنے والے کے پاگل ہونے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے۔

۵: پرتی ہار یا حواس پنجگانہ پر تسلّط:

اس مرحلہ میں یوگی حواس خمسہ پر غلبہ حاصل کرتے ہیں تاکہ وہ حیرانی پریشانی اور گمراہی سے بچ جائے اور اسے دلی اطمینان حاصل ہو۔ اس غلبہ کے حصول کے لئے وہ لمبی مشقیں اور ریاضتیں کرتے ہیں۔

۶: دھارن یا ذہنی مشق:

اس مرحلہ کی ابتدا میں ایک نقطہ پر توجہ مرکوز کرنا پڑتی ہے۔ جب اس کی خوب مشق ہو جائے تو پھر یوگی تصوّر باطن میں مشغول ہوتا ہے۔

۷: دھیان یا مراقبہ:

تمام دنیوی چیزوں سے تعلق توڑ کر یاد الٰہی میں مصروف ہو جانے کو کہتے ہیں۔

۸: سمادھی:

یہ یوگ کی سب سے اعلیٰ صورت ہے اس مرحلہ میں پہنچ کر ہندوؤں کے بقول انسان اللہ کی محبت میں اتنا محو ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے آپ سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر پہنچ کر یوگی خدا کی خدائی میں گم ہو جاتا ہے۔ ہندو کہتے ہیں کہ اس مقام کی پوری طرح تشریح ممکن نہیں ہے البتہ یہ ضرور ہے کہ یہ مقام ہر شخص حاصل نہیں کر سکتا۔ ہندوؤں کے مذکورہ فلسفۂ نیوگ پر ایک نظر کرنے سے بے ساختہ درج ذیل امور معلوم ہوتے ہیں۔

(۱) اللہ تعالیٰ تک پہنچنے کے یہ طریقے خود ساختہ اور غیر فطری ہیں۔ (۲) ہندوؤں کے اعتقاد کے مطابق ان طریقوں سے اللہ تعالیٰ تک صرف برہمن ہی پہنچ سکتے ہیں کوئی اور نہیں پہنچ سکتا۔ جبکہ اسلامی تعلیمات یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنے کے لئے کسی پیچیدہ راستہ کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے اور نہ ہی قرب الٰہی کی نعمت کسی خاص قوم یا گروہ کے ساتھ خاص ہے۔

عینک فریمی

زبان میری ہے بات اُن کی

- ❑ کسی ملک پر اپنے نظریات نہیں ٹھونسیں گے۔(امریکی کانگریس)
- ● صرف نصابِ تعلیم کی تبدیلی درکار ہے، جس سے ذہنی تبدیلی آتی ہے۔
- ❑ کالا باغ ڈیم کے حوالے سے وزیر اعلیٰ سندھ ارباب رحیم کا بیان غیر ذمہ دارانہ ہے۔وہ استعفیٰ کی دھمکی نہ دیں، اُن کا متبادل بھی موجود ہے۔(شیخ رشید)
- ● آپ کا متبادل بھی موجود ہے۔
- ❑ قیدیوں پر تشدد کرنے کے لیے، امریکہ نے ۲۶ قید خانے بنا رکھے ہیں۔(ہیومن رائٹس واچ)
- ● انسانی حقوق کے سب سے بڑے علمبردار کا حال!
- ❑ متاثرہ علاقوں میں ہزاروں گھروں کے علاوہ مساجد بھی بنائیں۔(الرشید ٹرسٹ، جماعت الدعوۃ)
- ● یہی دہشت گردی ہے!
- ❑ ۹۰ دن کا وقت نیٹو کے لیے ہے۔متاثرہ علاقوں سے امریکی فوج کی واپسی کا فیصلہ نہیں ہوا۔(امریکی سفیر، ریان سی کروکر)

اے تاں اُلفت اپنا ای گھر اے
نمازاں نہ روزے نہ رب دا ای ڈر اے

- ❑ صدر کی وردی نہ رہی تو نظام بھی نہیں رہے گا۔(اجمل قادری)
- ❑ صدر وردی اتار کر پارلیمنٹ کے اجلاس سے خطاب کے لیے آئیں، تمام رکاوٹیں دور ہو جائیں گی۔(اجمل قادری)
- ● کون سی بات صحیح مانی جائے!
- ❑ جلد واپس آ کر الیکشن میں حصہ لوں گی۔(بے نظیر)
- ● ہائے اقتدار!
- ❑ روشن خیالی کے نام پر مغربی تہذیب، دین اسلام میں داخل کرنے کی سازش کی جا رہی ہے۔(قاضی حسین احمد)
- ● سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا
- ❑ ''مار نہیں پیار'' کے سلوگن سے طلباء نے اساتذہ کو دھمکیاں دینا شروع کر دیں۔(ایک خبر)
- ● ڈنڈا پیر اے وگڑیاں تگڑیاں دا!

ادارہ

مجلس احرار اسلام پاکستان کی سرگرمیاں

اخبارُالاحرار

قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری کا دورہ رحیم یار خان:

رحیم یار خان (۹ر دسمبر) مجلس عمل کے اختلافات قوم کے لیے نقصان دہ ہیں۔ مجلس عمل کے رہنماؤں کو مفاد پرستی کی جنگ چھوڑ کر دین کی جنگ لڑنی چاہیے۔ لوگوں کو اتحاد کی دعوت دینے والے اگر خود اختلافات کا شکار ہو جائیں تو کشتی ساحل کنارے کون لگائے گا۔ ان خیالات کا اظہار مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے مسجد ختم نبوت مسلم چوک رحیم یار خان میں جمعۃ المبارک کے بہت بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کیا۔ انہوں نے کہا کہ بش دنیا کا سب سے بڑا دہشت گرد ہے جو دینی جماعتوں، علماء کرام، مجاہدین کو دہشت گرد اور دینی مدارس و مساجد کو دہشت گردی کے مراکز کہہ رہا ہے۔ مجلس احرار اسلام کے نزدیک وہ خود سب سے بڑا دہشت گرد ہے۔ گیارہویں جماعت کی انگریزی کی کتاب میں بش کی تعریف پر مبنی نظم ''دی لیڈر'' شامل کرنا شہداء اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ غداری ہے۔ امیر احرار نے کہا کہ عراق، افغانستان، فلسطین اور موجودہ دنیا میں مسلمانوں کو عقیدہ کے طور پر تباہ کرنے والا بش ہے۔ پاکستان کی بقاء اور استحکام اللہ کے دین میں ہے۔ جب تک کفر کے نظام کا بوریا بستر گول نہیں ہوتا' اس وقت تک پاکستان کی سلامتی خطرے میں رہے گی۔ مجلس احرار اسلام ۷۶ سال سے اسلام کے عادلانہ نظام کے نفاذ کی کوشش کر رہی ہے۔ ہمارے اکابر نے اسی جدوجہد میں زندگی گزار دی۔ آج دینی جماعتوں کی زبوں حالی اکابر کا راستہ چھوڑنے کی سزا ہے۔

اس موقع پر حافظ عبدالرحیم نیاز نے بھی خطاب کیا۔ اجتماع میں ملک حمید انور، حافظ محمد اسماعیل قمر چوہان، حافظ محمد طارق، حاجی محمود، مولانا بلال احمد، حافظ محمد اشرف، صوفی محمد سلیم، مولانا فقیر اللہ رحمانی، صوفی محمد اسحاق، مولوی علی محمد احرار، حافظ عطاء الرحمٰن حقانی، حافظ محمد صدیق قمر، مولانا عبدالخالق چوہان سمیت کارکنانِ احرار اور اہل علاقہ کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔

قائد احرار، ابن امیر شریعت، حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری نے ۷ر دسمبر کو مولانا عبدالصمد کی دعوت پر دارالعلوم عثمانیہ نوشہرو فیروز (محراب پور) سندھ تشریف لائے اور بعد نمازِ عشاء ایک بڑے دینی اجتماع سے خطاب کیا۔ واپسی پر مولانا عبدالرحمٰن مجاہد کے ہاں سکھر تشریف لائے اور شب کو انہی کے ہاں قیام کیا۔ مولانا عبدالرحمٰن سے اُن کے بھائی مولانا عتیق الرحمٰن شہید (کراچی) کی تعزیت کی اور صبح رحیم یار خان کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ نے ضلع رحیم یار خان کے مختلف علاقوں صادق آباد، شہباز پور، ظاہر پیر، بستی مولویاں، بدلی شریف، ٹب چوہان، بستی درخواست، خان پور، لیاقت پور اور ترنڈہ محمد پناہ کا تبلیغی دورہ کیا اور اجتماعات سے خطاب کیا۔

ڈویژنل پبلک سکول بورے والا کی قادیانی پرنسپل کی اسلام دشمنی کے خلاف مجلس احرار اسلام کا احتجاج

بورے والا (۱۳ر دسمبر) تحریک ختم نبوت اور مجلس احرار اسلام نے مطالبہ کیا ہے کہ ڈویژنل پبلک سکول (ڈی پی ایس) بورے والا میں سالانہ یوم والدین کے موقع پر بچوں اور بچیوں کے فحاشی وعریانی پر مبنی پروگرام انگلش میوزک ڈانس اور طلباء وطالبات کے گلے میں صلیبیں لٹکا کر بائیبل پڑھائے جانے جیسے شرمناک واقعات کی اعلیٰ سطحی تحقیقات کرائی جائیں اور سکول کی قادیانی پرنسپل امینہ طاہر کو برطرف کر کے تمام ذمہ داران کے خلاف فوری اور مؤثر کارروائی عمل میں لائی جائے۔ یہ مطالبہ بورے والا میں منعقدہ کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت کے مرکزی رہنما عبداللطیف خالد چیمہ کی صدارت میں منعقدہ ایک اجلاس میں کیا گیا جس میں مولانا عبدالنعیم نعمانی، صوفی عبدالشکور احرار، محمد نوید طاہر، مولانا منظور احمد، رانا خالد محمود، محمد کاشف فاروق اور دیگر حضرات نے شرکت کی۔

اجلاس میں اس امر پر تشویش ظاہر کی گئی کہ ڈی پی ایس کی قادیانی پرنسپل اس اہم تعلیمی ادارے کو اسلامی ومشرقی تہذیب وکلچر کے خلاف اور قادیانیت کی تبلیغ اور ارتدادی سرگرمیوں کے لئے استعمال کر رہی ہیں اور غیر نصابی سرگرمیوں کی آڑ میں ایسی کارروائیوں میں مصروف ہیں جن سے معصوم طلباء وطالبات کے ذہنوں کو دین اور اسلامی اقدار وکلچر سے دور کیا جا سکے۔ مجلس احرار اسلام بورے والا کے سیکرٹری اطلاعات محمد نوید طاہر نے اجلاس کے شرکاء کو بتایا کہ چند روز پیشتر ڈی پی ایس میں یوم والدین کے نام پر منعقدہ پروگرام میں اکثر وبیشتر غیر متعلقہ افراد براجمان تھے اور تقریب میں دس بارہ سال کے بچوں کو پادریوں والا لباس پہنا کر اور گلے میں صلیب ڈلوا کر بائیبل پڑھائی گئی اور فیشن شو میں انگلش پاپ میوزک کے نام پر اسلامی تعلیمات کا تمسخر اڑایا گیا جس پر بچوں کے والدین سخت برہم ہوئے اور شہر میں مختلف قسم کی چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ ایک ایسے وقت میں ہو رہا ہے جب قوم زلزلے جیسی مصیبت اور پریشانی میں مبتلا ہے۔ عبداللطیف خالد چیمہ نے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ مشکل کی اس گھڑی میں نونہالان قوم اور مستقبل کے سرمائے کو دینی فکر ونظر اور حیاء وعصمت سے منور کرنے کی بجائے ایسے تعلیمی اداروں میں جس بے حیائی، بے غیرتی اور دین سے دوری بلکہ کفر والحاد اور ارتداد کا درس دیا جا رہا ہے نہ صرف والدین بلکہ پوری قوم کے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ سب کچھ پراگندہ ذہن کے مالک دین دشمن حکمرانوں کی پالیسیوں کے نتیجے میں ہو رہا ہے۔ اسے کوئی مسلمان بلکہ شریف انسان بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ اجلاس میں ایک قرارداد کے ذریعہ ضلع ناظم وہاڑی اور ڈی سی او وہاڑی سمیت متعلقہ اتھارٹی اور اعلیٰ حکام سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ ڈی پی ایس کی قادیانی پرنسپل کو برطرف کر کے تمام ذمہ داران کے خلاف کارروائی کی جائے اور اس شرمناک واقعہ کی اعلیٰ سطحی غیر جانبدارانہ تحقیقات کرائی جائیں نیز ڈی پی ایس میں قواعد وضوابط کے برعکس ٹیچرز کی تقرریوں کی تحقیقات کرا کر منظر عام پر لائی جائیں۔ اجلاس میں فیصلہ کیا گیا کہ تحریک ختم نبوت شہریوں کی ترجمانی کرتے ہوئے پرامن طور پر اپنے مطالبات کے لیے احتجاجی سلسلہ جاری رکھے گی اور اگر متعلقہ اتھارٹی نے مؤثر کارروائی نہ کی تو رائے عامہ کو بیدار اور منظم کر کے لائحہ عمل طے کیا جائے گا۔

۱۶ر دسمبر کو بورے والا میں اس واقعہ پر یوم احتجاج منایا گیا۔اس موقع پر علماء کرام اور دینی رہنماؤں نے اپنے خطابات میں اس صورت حال پر سخت احتجاج کیا۔مرکزی جمعیت اہل حدیث کے مرکزی رہنما مولانا عبداللہ گورداسپوری نے جامع مسجد اہل حدیث،مجلس احرار اسلام کے مرکزی سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ نے جامع مسجد ڈی بلاک ،مولانا محمود قادری نے جامعہ قادریہ اسلامیہ،مولانا راؤ منور احمد نے جامع مسجد الفاروق میں احتجاجی اجتماعات سے خطاب کرتے ہوئے الزام لگایا کہ ڈی پی ایس کی قادیانی پرنسپل امینہ طاہر طلباء وطالبات سے ایسے پروگرام پرفارم کرا رہی ہیں، جن سے بے دینی و بے حیائی کو فروغ ملے اور بچے عقیدے کے اعتبار سے مسلمان نہ رہیں۔جس پر بچوں کے والدین،شہریوں اور دینی جماعتوں کو سخت تشویش ہے اور ایسی تقریبات کے ذریعے جو کلچر منتقل کیا جا رہا ہے۔وہ یورپی ومغربی طرزِ فکر کی عکاسی کرتا ہے۔شہر کی متعدد مساجد میں اس حساس مسئلے پر قراردادیں منظور کی گئیں، جن میں ڈی سی او وہاڑی اور ضلع ناظم وہاڑی سمیت اعلیٰ حکام اور متعلقہ اتھارٹی سے پرزور مطالبہ کیا گیا کہ گزشتہ دنوں ڈی پی ایس میں ہونے والی تقریب کی اعلیٰ سطحی انکوائری کرائی جائے اور تمام ذمہ داران کو قانون کے مطابق سزا دی جائے۔یہ مطالبہ بھی کیا گیا کہ سکہ بند قادیانی پرنسپل کو سکول میں بے ضابطگیوں،بچوں کے اخلاق تباہ کرنے،قادیانیت کی تبلیغ کرنے اور ارتداد پھیلانے کے جرم میں اس منصب سے برطرف کیا جائے۔علاوہ ازیں زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے نمائندہ افراد اور سماجی وشہری تنظیموں نے مجلس احرار اسلام اور تحریک تحفظ ختم نبوت کی طرف سے اس مسئلے پر آواز اٹھانے کا خیر مقدم کرتے ہوئے مکمل تائید وحمایت کا یقین دلایا ہے۔جبکہ مجلس احرار اسلام بورے والا کے سیکرٹری اطلاعات محمد نوید طاہر نے اعلان کیا ہے کہ ہم پرامن طور پر اس حساس مسئلے پر احتجاج جاری رکھیں گے اور اگر قادیانی پرنسپل کی برطرفی سمیت تمام مطالبات تسلیم نہ کیے گئے تو رائے عامہ کو بیدار اور منظم کر کے آئندہ لائحہ عمل طے کیا جائے گا اور کسی قسم کا دباؤ برداشت نہیں کیا جائے گا۔

قائدِ احرار کا دورۂ ضلع وہاڑی:

گڑھا موڑ (۱۵ر دسمبر) مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری نے ۱۵ تا ۱۹ر دسمبر ضلع وہاڑی کا تنظیمی وتبلیغی دورہ کیا۔انہوں نے مدرسہ ختم نبوت گڑھا موڑ کے انتظام کا جائزہ لیا اور کارکنوں کو ہدایات جاری کیں۔اس موقع پر حافظ گوہر علی،ماسٹر محمد اقبال،صوفی رب نواز،صوفی محمد یوسف اور دیگر احرار کارکن بھی موجود تھے۔

۱۵ر دسمبر کو بعد نمازِ ظہر مدرسہ ختم نبوت بورے والا میں کارکنوں کے اجتماع سے خطاب کیا۔ضلع وہاڑی کے مختلف علاقوں کے دورہ میں احرار کارکنوں سے ملاقاتوں کے علاوہ اجتماعات سے بھی خطاب کیا۔

قائدِ احرار کا دورۂ جھنگ:

جھنگ (۲۲ر دسمبر) قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری نے ۲۲ر دسمبر کو جھنگ میں مدرسہ ختم نبوت کے قیام کے سلسلہ میں افتتاحی تقریب سے خطاب کیا۔اجتماع کی صدارت پروفیسر محمد حمزہ نعیم نے کی جبکہ مولانا عبدالغفار سیال،قاری محمد اصغر عثمانی اور مولانا محمد اسحاق بھی اس موقع پر موجود تھے۔

ادارہ

مسافرانِ آخرت

اناللہ وانا الیہ راجعون

مظہر نواز خان درانی مرحوم:

تحریک آزادی کے ممتاز کارکن اور مجلس احرار اسلام کے بزرگ رہنما جناب مظہر نواز خان درانی ۱۷ر دسمبر ۲۰۰۵ء کی صبح ملتان میں انتقال کر گئے۔ اُن کی نماز جنازہ تبلیغی مرکز ابدالی مسجد ملتان میں مجلس احرار اسلام کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے پڑھائی۔ مرحوم نے ۱۹۲۱ء کی تحریک خلافت میں ایک مخلص اور پرجوش کارکن کی حیثیت سے اپنی سیاسی زندگی کا آغاز کیا۔ وہ عظیم مجاہد آزادی امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کی شخصیت سے متاثر ہوئے اور پھر ۱۹۲۹ء میں مجلس احرار اسلام کے بانی رکن کی حیثیت سے تحریک آزادی میں حصہ لیا۔ ۱۹۲۹ء کے آغاز میں امرتسر میں مجلس احرار اسلام کے قیام کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف شہروں سے تعلق رکھنے والے تحریک خلافت کے کارکنوں اور رہنماؤں کا ایک اہم مشاورتی اجلاس منعقد ہوا۔ جس میں خان مظہر نواز خان مرحوم بھی شامل تھے۔ اس اجلاس میں مولانا ظفر علی خان بھی شامل تھے اور مجلس احرار اسلام کے نام سے ایک نئی سیاسی جماعت کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ انہوں نے ۱۹۴۶ء میں مجلس احرار اسلام کے ٹکٹ پر ملتان سے پنجاب اسمبلی کے الیکشن میں حصہ لیا۔

قیامِ پاکستان سے قبل ہر قومی وسیاسی تحریک میں فعال کردار ادا کیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد ۱۹۴۹ء میں مجلس احرار اسلام نے انتخابی سیاست سے علیحدگی کا اعلان کیا اور مسلم لیگ کے ساتھ محاذ آرائی کو ختم کیا تو مظہر نواز خان، اپنے رفقاء شیخ حسام الدین، ماسٹر تاج الدین انصاری اور نواب زادہ نصر اللہ خان کے ہمراہ حسین شہید سہروردی کی عوامی لیگ میں شامل ہو گئے اور ۱۹۵۱ء میں عوامی لیگ کے ٹکٹ پر صوبائی انتخاب لڑا۔ ۱۹۵۳ء کی تحریک تحفظ ختم نبوت میں بھرپور حصہ لیا۔ وہ مولانا ابوالکلام آزاد، علامہ محمد اقبال، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری، چودھری افضل حق اور مولانا ظفر علی خان (رحمتہ اللہ علیہم) سے بہت متاثر تھے۔ لیکن سید عطاء اللہ شاہ بخاری سے اُن کی محبت وعقیدت بے پناہ تھی۔ شاہ جیؒ ۱۹۴۸ء میں نوابزادہ نصر اللہ خان مرحوم کے ہاں خان گڑھ میں رہائش پذیر ہوئے اور ۱۹۴۹ء میں ملتان مستقل سکونت اختیار کر لی۔ ملتان میں ان کی رہائش کے لیے مکان کے حصول کے سلسلے میں مظہر نواز خان مرحوم پیش پیش تھے۔ ان کوششوں میں ملک عطاء اللہ اور ملک عبدالغفور انوری مرحوم بھی اُن کے ساتھ تھے۔ شاہ جیؒ کے امرتسر کے مکان کا کلیم داخل کرنے میں اُن کا کلیدی کردار تھا۔ دارِ بنی ہاشم کی موجودہ جگہ اسی کلیم میں ملی۔ ملتان میں شاہ جی کے قیام کے بعد وہ روزانہ دو مرتبہ ان سے ملنے آتے اور شاہ جی کے انتقال کے بعد روزانہ دو مرتبہ ان کی قبر پر حاضری دیتے۔ جب تک صحت رہی، اُن کا یہ معمول باقاعدگی سے جاری رہا۔ یہ اُن کی شاہ جی سے محبت اور وفا کی انتہا تھی۔ وہ نوابزادہ نصر اللہ خانؒ اور شورش کاشمیریؒ کے ہم عصر تھے۔ وہ ملتان میں تبلیغی مرکز ابدالی مسجد کی مجلس انتظامیہ کے تاحیات جنرل سیکرٹری رہے۔ ٹی بی ایسوسی ایشن کی سرپرستی کرتے رہے۔ مطالعہ اُن کی زندگی کا معمول تھا۔ روزانہ لائبریری جاتے۔ اُن کے بڑے بیٹے ڈاکٹر خالد درانی، شیخ زید ہسپتال لاہور کے سرجری ڈیپارٹمنٹ کے سربراہ ہیں۔ شاہد درانی اور ساجد درانی بھی اُن کے بیٹے ہیں۔ مظہر نواز خان ۱۹۰۵ء میں پیدا ہوئے۔ انہوں نے سو سال عمر پائی اور بھرپور زندگی گزاری۔ وہ قیامِ پاکستان سے قبل اور

بعد مدت تک مجلس احرار اسلام کی مرکزی مجلس عاملہ کے رکن رہے۔اپنی صحت کی خرابی کی وجہ سے وہ گوشہ نشین ہوگئے لیکن ذہنی وفکری طور پر آخری وقت تک احراری رہے۔اُن کی وفات سے برصغیر کی سوسالہ تاریخ کا ایک زریں باب بند ہوگیا۔

قائد احرار سید عطاء المہیمن بخاری، سیکرٹری جنرل پروفیسر خالد شبیر احمد، سیکرٹری اطلاعات عبداللطیف خالد چیمہ اور ڈپٹی سیکرٹری جنرل سید محمد کفیل بخاری نے مرحوم کی شاندار خدمات کو خراجِ تحسین پیش کیا اور پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے مرحوم کی مغفرت کی دعا کی۔

قاری نورالحق قریشی (ایڈووکیٹ) مرحوم:

حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ کے فرزند نسبتی اور ممتاز قانون دان قاری نورالحق قریشی ایڈووکیٹ ۱۱؍دسمبر ۲۰۰۵ء کو ملتان میں انتقال کر گئے۔اُن کی عمر ۶۸ برس تھی۔مرحوم ایک وضع دار، مخلص، دوست نواز اور مجلسی آدمی تھے۔ ہوش کی آنکھ کھولی تو گھر میں حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ اور ان کے جلیل القدر رفقاء کا تذکرہ سنا۔فطری طور پر انہی سے متاثر ہوئے۔پھر اکابرِ احرار کی زیارت اور تقاریر سننے کی سعادت حاصل ہوئی۔حضرت قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمہ اللہ نے اپنا فرزندِ نسبتی بنایا تو احرار سے فکری مناسبت وتعلق میں مزید اضافہ ہوا۔حافظ قرآن اور خوش الحان قاری تھے۔قرآن خوب یاد تھا۔سفر وحضر میں تلاوت معمول تھا۔۱۹۶۶ء میں حضرت مولانا سید ابوذر بخاریؒ سے متاثر ہوئے اور مجلس احرار اسلام میں شامل ہوگئے۔لیکن ۱۹۶۹ء میں جمعیت علماء اسلام سے وابستہ ہوگئے اور مولانا مفتی محمود کی قیادت میں سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لیتے رہے۔وہ جمعیت علماء اسلام پنجاب کے سیکرٹری اور مجلس شوریٰ کے رکن رہے۔۱۹۷۳ء میں ''متحدہ جمہوری محاذ''(U.D.F.) کی تحریک سول نافرمانی میں قید ہوئے۔پولیس نے بے پناہ تشدد کیا لیکن استقامت سے برداشت کیا اور پسپائی اختیار نہ کی۔۱۹۷۷ء کے عام انتخابات میں پاکستان قومی اتحاد(P.N.A.) کے ٹکٹ پر پنجاب اسمبلی کا الیکشن لڑے۔قومی اتحاد ٹوٹا تو وہ بھی سیاست سے کنارہ کش ہوگئے۔ڈسٹرکٹ بار ملتان کے صدر رہے۔کچہری میں اُن کی سیٹ پر تاحیات ایک گہما گہمی رہی۔مختلف سیاسی، سماجی اور دینی جماعتوں کے کارکن دن بھر آتے رہتے اور مختلف موضوعات پر گرما گرم بحثیں ہوتیں۔جماعتِ اسلامی ملتان کے بزرگ رہنما ملک وزیر غازی ایڈووکیٹ مرحوم (جن کا چند روز پہلے انتقال ہوا) اس مجلس کی جان اور صدر نشین ہوتے۔غازی صاحب مرحوم بزرگ سیاسی کارکن تھے اور وسیع المطالعہ تھے۔قاری صاحب مرحوم اکثر ان سے چھیڑ چھاڑ کرتے۔ان کے انتقال کے صدمے کو بہت زیادہ محسوس کیا۔۱۱؍دسمبر کو حسبِ معمول تہجد کی نماز ادا کی۔پھر نمازِ فجر کی ادائیگی کے لیے ایم ڈی اے چوک کی مسجد میں اپنے پوتے کو ساتھ لے کر آئے۔نماز باجماعت ادا کی اور فوراً آواز بلند دعائیں مانگنا شروع کردیں۔چند منٹوں میں ہی دعائیں مانگتے ہوئے اُن کی روح پرواز کرگئی۔

اللہ تعالیٰ نے اُن پر اپنا خاص فضل کیا اور انہیں حُسن خاتمہ کی نعمت سے نوازا۔اسی روز شام کو نمازِ جنازہ ادا کی گئی اور حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ کے قدموں میں جلال باقری قبرستان میں آسودۂ خاک ہوئے۔ان کے دو بیٹے ہیں۔قاری احسان احمد اور قاری محمد اکرام ایڈووکیٹ۔مجلس احرار اسلام کے امیر سید عطاء المہیمن بخاری اور تمام رہنماؤں اور کارکنوں نے پسماندگان سے اظہارِ تعزیت کرتے ہوئے قاری صاحب مرحوم کے لیے دعاءِ مغفرت کی ہے۔

حضرت قاری محمد صدیق صاحب رحمہ اللہ:

اللہ کا ایک صالح بندہ، جس نے کم وبیش چالیس برس قرآن کریم پڑھایا۔ اُن کے سینکڑوں شاگرد ہیں۔ فن تجوید وقرأت کے شناور اور خوش الحان تھے۔ اپنے تمام بیٹوں کو قرآن پڑھایا اور فن تجوید وقرأت کی نعمت سے بھی نوازا۔ حضرت پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری سے بہت محبت کرتے۔ ہر سال شعبان میں مسجد احرار چناب نگر میں منعقدہ مجلس قرأت میں اپنے شاگردوں اور بیٹوں سمیت شریک ہوتے۔ وہ اللہ کے محبوب اور مقبول بندوں میں سے تھے۔ ۷ر دسمبر ۲۰۰۵ء کو فیصل آباد میں انتقال ہوا۔

☆ ممتاز عالم دین حضرت مولانا محمد نافع مدظلہ (جامعہ محمدی شریف جھنگ) کی اہلیہ مرحومہ

☆ حضرت مولانا محمد ایوب رحمہ اللہ (والدِ ماجد مولانا عزیز الرحمٰن ہزاروی، راولپنڈی)

☆ سید محمد ابراہیم شاہ صاحب (معاون مجلس احرار اسلام بدلی شریف رحیم یار خان) کی والدہ ماجدہ

☆ والدہ مرحومہ، مولانا قاضی عزیز الرحمٰن صاحب (جامعہ قادریہ رحیم یار خان)

☆ مجلس احرار اسلام چنیوٹ کے کارکن صوفی محمد حنیف معاویہ کی والدہ اور قاری محمد یامین گوہر کی ہمشیر مرحومہ

☆ مجلس احرار اسلام جلال پور پیروالا کے کارکن ملک اشفاق احمد نقشبندی کی پھوپھی اور قاری عبدالغفار نقشبندی قادری کی والدہ مرحومہ ۱۱ر دسمبر ۲۰۰۵ء بروز اتوار۔

☆ ممتاز صحافی اور کالم نگار جناب ہارون الرشید کی والدہ ماجدہ

☆ دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی کے خادم محمد رمضان کا کم سن بیٹا انتقال کر گیا۔ عمر سوا سال تھی۔

اللہ تعالیٰ سب کی مغفرت فرمائے اور حسنات قبول فرمائے۔ پسماندگان کو صبر جمیل عطاء فرمائے۔ قارئین سے تمام مرحومین کے لیے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

دعائے صحت

☆ محترم قاری محمد یعقوب نقشبندی (جلال پور پیروالا) ☆ ہمارے کرم فرما محترم پروفیسر محمود الحسن قریشی (ملتان)

قارئین سے دعائے صحت کی درخواست ہے۔ (ادارہ)

بنیاد: مجدد بنی ہاشم سیدنا عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ — امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ

مدرسہ معمورہ

دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

بانی

سید عطاء المحسن بخاری رحمۃ اللہ علیہ

قائم شدہ

1961

الحمدللہ

مدرسہ معمورہ اپنے تعلیمی وفکری سفر پر گامزن ہے اور تسلسل کے ساتھ ترقی کر رہا ہے۔ طلباء کے لیے مدرسہ معمورہ اور طالبات کے لیے جامعہ بستانِ عائشہ میں حفظ وناظرہ قرآن، درسِ نظامی اور پرائمری شعبوں میں تعلیم جاری ہے۔

دار القرآن — دار الحدیث

دار المطالعہ — دار الاقامہ

کی تعمیر میں حصہ لیں

2004ء میں مدرسہ سے ملحق ایک مکان خریدا گیا جس میں اب دار القرآن، دار الحدیث اور دار المطالعہ کی تعمیر شروع کی جا رہی ہے۔ احباب سے اپیل ہے کہ حسبِ سابق نقد وسامان دونوں صورتوں میں تعاون فرما کر اجر حاصل کریں۔

ترسیل زر

بذریعہ بینک: چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری مدرسہ معمورہ
کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

الداعی الی الخیر

ابن امیر شریعت سید عطاء المہیمن بخاری

کھانسی، نزلہ، زکام
کسی موسم یا کسی وقت کے پابند نہیں

ہمدرد کی مجرّب دوائیں ان کا علاج بھی ہیں اور ان سے محفوظ رہنے کی مؤثر تدبیر بھی

سُعالین

مُفید جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ سُعالین، گلے کی خراش اور کھانسی کا آسان اور مؤثر علاج۔ آپ گھر میں ہوں یا گھر سے باہر، سرد و خشک موسم یا گرد و غُبار کے سبب گلے میں خراش محسوس ہو تو فوراً سُعالین لیجیے۔ سُعالین کا باقاعدہ استعمال گلے کی خراش اور کھانسی سے محفوظ رکھتا ہے۔

جوشینا

تیار جوشاندہ

نزلہ، زکام، فلُو اور اُن کی وجہ سے ہونے والے بخار کا آزمودہ علاج۔
جوشینا کا روزانہ استعمال موسم کی تبدیلی اور فضائی آلودگی کے مُضر اثرات بھی دُور کرتا ہے۔
جوشینا بند ناک کو فوراً کھول دیتی ہے۔

لعوق سپستاں

نزلے زکام میں سینے پر بلغم جم جانے سے شدید کھانسی کی تکلیف طبیعت نڈھال کر دیتی ہے۔
اس صورت میں صدیوں سے آزمودہ ہمدرد کا لعوق سپستاں، خشک بلغم کے اخراج اور شدید کھانسی سے نجات کا مؤثر ذریعہ ہے۔
ہر موسم میں، ہر عمر کے لیے

صُدوری

مؤثر جڑی بوٹیوں سے تیار کردہ خوش ذائقہ شربت۔ خشک اور بلغمی کھانسی کا بہترین علاج۔ صدوری سانس کی نالیوں سے بلغم خارج کر کے سینے کی جکڑن سے نجات دلاتی ہے اور پھیپھڑوں کی کارکردگی کو بہتر بناتی ہے۔ بچّوں، بڑوں سب کے لیے یکساں مُفید۔

شوگر فری صُدوری بھی دستیاب ہے۔

سُعالین، جوشینا، لعوق سپستاں، صُدوری۔ ہر گھر کے لیے بے حد ضروری

ہمدرد

مدینۃ الحکمہ تعلیم سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

ہمدرد کے متعلق مزید معلومات کے لیے ویب سائٹ ملاحظہ کیجیے:
www.hamdard.com.pk

Adarts-SJLS-1/2001

Monthly"Naqeeb-e-Khatm-e-Nabuwwat"Multan.Regd.M.No.32

عیدالاضحیٰ کے موقع پر

قربانی کی کھالیں

مجلس احرار اسلام کے شعبہ تبلیغ تحریکِ تحفظِ ختم نبوت کو دیجیے

جملہ رقوم، عطیات، زکوٰۃ وعشر، صدقات، قیمت چرم قربانی بھیجنے کے لیے

بذریعہ بینک

چیک یا ڈرافٹ بنام سید محمد کفیل بخاری (مدرسہ معمورہ)

کرنٹ اکاؤنٹ نمبر 2-3017 یو بی ایل کچہری روڈ ملتان

ہمارے مراکز

* مدرسہ معمورہ دارِ بنی ہاشم ملتان 061-4511961
* مدرسہ معمورہ دفتر احرار لاہور 042-5865465
* دارالعلوم ختم نبوت چیچہ وطنی 040-5482253
* مدرسہ ابوبکر صدیق، تلہ گنگ 054-3412201
* امتیاز حسین چکڑالہ (میانوالی) 045-9393049
* مدرسہ ختم نبوت چشتیاں 063-2509507
* غلام حسین احرار، ڈیرہ اسماعیل خان 096-6730057
* مولانا فقیراللہ رحمانی، رحیم یار خان 0301-7660168
* مولانا عبدالعزیز، مدنی مسجد بہاولپور 062-2884601
* مدرسہ ختم نبوت مسجد احرار چناب نگر 047-6211523
* مدنی مسجد بخاری ٹاؤن چنیوٹ 047-6333155
* عبدالرحمٰن جامی جلال پور پیروالا 061-4210505
* مدرسہ ختم نبوت گڑھا موڑ (میلسی) 067-3791151
* مدرسہ معمورہ، میراں پور (میلسی) 067-3751204
* مدرسہ ختم نبوت، بورے والا (وہاڑی) 0300-6993318
* مدرسہ محمودیہ معمورہ، ناگڑیاں (گجرات) 053 - 3650025
* محمد اشرف علی احرار، فیصل آباد 0300-7623619
* محمد اصغر لغاری، میر ہزار خان (مظفر گڑھ) 066-2512354

الداعی الی الخیر

تحریک تحفظ ختم نبوت شعبہ تبلیغ مجلس احرار اسلام پاکستان

Designed by 0300-7345096